© rasailojaraid.com

قرآن وسنت کا باہمی تعلق

سنت رسول ﷺ کی روشنی میں

مسز منزہ مصدق
اسسٹنٹ پروفیسر آزاد کشمیر یونیورسٹی میر پور

اللہ تعالی نے جو دین ہمیں قرآن کے ذریعے دیا۔ اس کی نوعیت صرف یہ ہے کہ اس میں اصولی باتیں بیان ہوئی ہے۔ جزئیات وتفصیلات اس میں بیان نہیں ہوئیں۔ ان کی تعلیم اس نے تمام تر معلم قرآن پر چھوڑ دی۔ دین کا پورا ڈھانچہ سنت رسول ﷺ سے کھڑا ہوتا ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ قرآن وسنت میں تعلق روح وقالب کا ہے۔ یعنی قرآن مجید روح ہے۔ اس کو سنت رسول اللہ ﷺ سے قالب نصیب ہوتا ہے۔ ان دونوں کی باہمی ترکیب سے ہی دین کا پورا نظام کھڑا ہوتا ہے ان میں سے کسی ایک کو بھی الگ کر لیجیے تو سارا شیرازہ درہم برہم ہو جائے گا۔ چنانچہ امام شاطبی فرماتے ہیں:

"فکان السنة بمنزلة التفسير و الشرح لمعانی احکام الکتاب"(۱)

(گویا سنت کتاب اللہ کے احکام کے لیے بمنزلہ تفسیر وشرح کے ہے)

بغیر احادیث کے ان مجمل احکام کو سمجھنا اوران آیات کا موقع محل پہچانناایسا دشوار ہے۔ جیسے بغیر پانی کے تشنگی کا فرو ہونا۔ شیخ عبدالجبار عمر پوری نے قرآن وسنت کے اس تعلق کو عمدہ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''دل کی کوئی بات بغیر زبان کے ظاہر نہیں ہوسکتی۔ اور زبان بغیر دل کے اشارہ وارادہ کے حرکت نہیں کرسکتی یہی کیفیت قرآن وحدیث کی ہے۔ قرآن تمام جہاں میں ایسا ہے جیسے انسان کے اندر دل اور حدیث ایسی ہے جیسے منہ میں زبان قرآن قانون وقاعدہ کلی مقرر کرنے والا اور حدیث اس کی شرح وتفصیل بیان کرنے والی اوراس کی جزئیات و فروعات کو کھولنے والی ہے۔(۲)

اس مختصر مقالہ میں ہم قرآن وسنت کے اس تعلق کو مزید واضح کرنے کے لیے سنت رسول ﷺ کے حوالے سے ذیل میں اس کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرینگے۔

قرآن وسنت میں سے کسی ایک چیز پر اکتفا کرنا

چونکہ اسلامی شریعت صرف قرآن کا نام نہیں ہے بلکہ اس سے قرآن اوراس کا بیان دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مراد ہیں۔ لہذا اگر قرآن کی تشریعی حیثیت تسلیم کی جاتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے بیان، شرح وتفسیر کی مشروعیت سے انکار کیا جائے۔ جاننا چاہیے کے قرآن کے اس بیان، شرح وتفسیر کا نام ہی سنت نبوی ہے۔ پس قرآن وسنت میں صرف قرآن یا صرف سنت کو ہی قابل عمل یا دین کے لیے کافی سمجھنا صریح گمراہی ہے۔ کیونکہ قرآن وسنت میں ایک دوسرے کی پابندی کا تاکیدی حکم وارد ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

[مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰه](۳)

(جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی)

اسی طرح رسول ﷺ نے فرمایا:

"من اطاعنی فقد اطاع الله ومن عصانی فقد عصی الله" (۴)

(جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی)

امام بیہقی نے المدخل الکبیر میں حبیب بن ابی فضالہ المکی کی روایت نقل کرتے ہوئے یہ صراحت فرمائی۔

حضرت عمران بن حصین نے شفاعت کی حدیث بیان کی تو کسی قوم کے ایک شخص نے عرض کیا: اے نجید! آپ ہم سے بہت سی ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ جن کی کوئی اصل قرآن میں نظر نہیں آتی۔ یہ سن کر حضرت عمران غضب ناک ہوگئے اور کہنے لگے۔ کیا تو نے قرآن پڑھا ہے؟ معترض نے عرض کیا: ہاں پڑھا ہے۔ حضرت عمران نے پوچھا۔ کیا تم قرآن میں عشاء کی نماز چار رکعت، صبح کی نماز کی دو رکعت، ظہر کی نماز چار رکعت اور عصر کی نماز چار رکعت پڑھنے کا ثبوت پاتے ہو؟ معترض نے عرض کیا نہیں۔ حضرت عمران نے پوچھا: تم لوگوں نے ان کو کہاں سے سیکھا ہے؟ کیا تم لوگوں نے ان کو ہم سے اور ہم نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سیکھا؟ پھر دریافت فرمایا: کیا تم قرآن میں ہر چالیس بکری پر ایک بکری زکوٰۃ کا حکم پاتے ہو؟ نیز اس میں اونٹ اور درہموں کے نصاب کا ذکر دکھا سکتے ہو؟ معترض کا جواب تھا نہیں حضرت عمران کہنے لگے۔ تو پھر کن لوگوں سے اور کہاں سے تم نے ادائیگی زکوٰۃ کے نصاب اور طریقے کو سیکھا؟ کیا تم لوگوں نے ہم سے اور ہم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ چیزیں نہیں سیکھیں؟ پھر کہنے لگے قرآن میں [وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ] (۵) وارد ہوا ہے تو کیا تمہیں قرآن میں سات مرتبہ طواف کرنے کا حکم نظر آتا ہے؟ اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے؟ کیا تم قرآن میں (ولا جنب ولا شغار فی الاسلام) کے سلسلے میں کوئی ذکر پاتے ہو؟ کیا تم نے نہیں سنا اللہ تعالی اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

[وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا] (۶)

(سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں تو اسے لے لو۔ اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر عمران نے فرمایا کہ: ہم نے رسول اللہ سے بہت ساری چیزوں کو سیکھا ہے جس کا تمہیں کوئی علم نہیں ہے۔(۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس واقعہ کا تذکرہ کرنے کے بعد مزید فرماتے ہیں کہ:۔

حضرت عمران بن حصین کی یہ گفتگو سن کر اس شخص نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا تھا۔"**احییتنی احیاک اللہ**"یعنی آپ نے (یہ بصیرت افروز بات کہہ کر) مجھے حیات نو عطا کی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو حیات دراز عطا فرمائے۔(۸)

علامہ طحاوی فرماتے ہیں۔

''دینی اصول کے سلسلہ میں وہ شخص کیسے کچھ کہہ سکتا ہے جس نے دین کو کتاب وسنت کی بجائے لوگوں کے اقوال سے سیکھا ہو؟ اگر یہ شخص یہ گمان کرے کہ وہ دین کتاب اللہ سے لے رہا ہے اور وہ اس کی تفسیر' حدیث رسول اللہ سے نہیں لیتا اور نہ اس پر غور کرتا ہے اور نہ بسند صحیح ہم تک پہنچنے والے صحابہ وتابعین کے اقوال پر نظر رکھتا ہے (تو اسے جان لینا چاہیے کہ) ان راویوں نے ہم تک صرف قرآن کے الفاظ کو نہیں پہنچایا بلکہ اس کے معنی ومطالب کو بھی پہنچایا ہے۔ وہ لوگ قرآن کو بچوں کی طرح نہیں سیکھتے تھے۔ بلکہ اس کے مفہوم کو بھی سمجھتے تھے۔ اگر کوئی شخص ان کا راستہ اختیار نہ کرے تو پھر اپنی رائے سے ہی بولے گا اور جو اپنی رائے سے بولے گا اور اپنے گمان کو ہی دین سمجھے گا اور دین کو قرآن وسنت سے نہ سیکھے وہ گنہگار ہے خواہ اس کی بات درست ہی ہو۔ اور دین کو کتاب اللہ اور سنت رسول سے سیکھے اگر وہ غلطی بھی کرے تو ماجور ہوگا اور اگر صواب کو پالے تو دوہرا اجر پائے گا۔(۹)

اس ضمن میں جناب حمید اللہ فراہی بھی ''احکام الاصول'' میں لکھتے ہیں:

''سلف اور آئمہ نے اپنے مذہب کی صحت کی بدولت کتاب وسنت دونوں کو مضبوطی سے پکڑا ہے یہ نہیں کیا ہے کہ باطل پسندوں اور ملحدوں کی طرح ان میں تفریق کر کے ایک چیز کو ترک کر دیا''۔(۱۰)

کتاب اللہ پر سنت کے قاضی ہونے سے کیا مراد ہے؟

علمائے سلف میں اس بات کا زبردست احساس پایا جاتا ہے کہ حدیث نبوی قرآن کے اصول ومبادی کی مفسر وترجمان کی حیثیت رکھتی ہے خواہ یہ تشریح وتوضیح جیسے بھی ممکن ہو۔ اس کے پیش نظر بعض علماء اس بات کے قائل تھے کہ حدیث نبوی قاضی علی الکتاب ہے۔(۱۱) امام اوزاعی کے استاد اور مشہور محدث یحیی بن ابی کثیر نے بھی اصول قرآنیہ کی توضیح میں سنت کے اہم کردار کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"السنۃ قاضیۃ علی الکتاب' لیس الکتاب قاضیا علی السنۃ" (۱۲)

''سنت احکام قرآن کا فیصلہ کرنے والی' قرآن' سنت کا فیصلہ کرنے والا نہیں''

مذکورہ علمائے سلف کے اقوال سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ کتاب اللہ کے احکام کے فیصلے اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں کیے جائیں۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی فرماتے ہیں:

''کتاب اللہ کا بیان سنت سے طلب کرنا چاہیے۔ اس مجمل کے مبین رسول ﷺ ہیں اس لیے بعض اہل علم کا قول ہے کہ جب قرآن کریم اور حدیث میں بظاہر تعارض واقع ہو تو حدیث کو مقدم کرنا واجب ہے۔ کیونکہ سورۃ النحل کی آیت: ۴۴ دلالت کرتی ہے کہ قرآن مجمل ہے اور حدیث مبین اور مبین چیز مجمل پر مقدم ہوتی ہے'' (۱۳)

اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ احادیث کو قرآن پر قاضی کہہ دینے سے بعض لوگوں نے غلط مطلب لیا۔ حالانکہ امام یحیی بن ابی کثیر' امام مکحول۔ امام اوزاعی وغیرہ کے ہم عصر اور بعد میں آنے والے جتنے آئمہ حدیث گزرے ہیں ان میں سے کسی سے بھی ان حضرات کے قول پر اعتراض منقول نہیں۔ محدثین میں صرف امام احمد بن حنبل سے یہ قول مذکور ہے جس کی روایت فضل بن زیاد کے حوالے سے یوں ہے:

قال : سمعت احمد بن حنبل و سئل عن الحدیث الذی روی' أن السنۃ قاضیۃ علی الکتاب۔ قال :أن أقوله ولکن السنۃ تفسّر الکتاب وتعرف الکتاب وتبیّنه(۱۴)

وہ کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے سنا اور ان سے سوال کیا گیا تھا اس قول کے بارے میں جس کی روایت ہوئی کہ السنۃ قاضیۃ علی الکتاب (سنت کتاب اللہ پر حاکم ہے) تو انہوں نے فرمایا میں یہ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ سنت تو قرآن کی تفسیر کرتی ہے۔ اور اس کی مجمل باتوں کی وضاحت کرتی ہے۔

امام احمد بن حنبل کے علاوہ باقی تمام محدثین نے ان اقوال کی صداقت پر اس قدر اعتماد کیا ہے کہ بعض نے اپنی کتاب میں مستقل ابواب ہی اس عنوان سے قائم کیے ہیں۔ "باب السنۃ قاضیۃ علی کتاب اللہ" (۱۵)

ہمارے نزدیک مذکورہ قول :"السنۃ قاضیۃ علی الکتاب' لیس الکتاب قاضیا علی السنۃ" کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ کتاب اللہ کی بعض آیات دو یا دو سے زیادہ معنی و مطالب کی محتمل ہوتی ہیں۔ لیکن سنت ایسی تمام آیات کے جملہ محتملات میں سے کسی ایک محتمل کا تعین کر کے اس آیت کے متعدد مطالب کو متعین کر دیتی ہے۔ اس چیز پر استدلال عموماً ان احادیث سے کیا جاتا ہے۔ جن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ظواہر قرآن کے خلاف مطلق کو مقید اور عام کو خاص کیا جاتا ہے۔ ظواہر کتاب کے مقتضی کو یوں ترک کر کے سنت کی طرف رجوع کرنے سے کتاب اللہ پر سنت کی تقدیم لازم نہیں آتی۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جو چیز سنت میں معتبر ہے وہی دراصل کتاب اللہ کی منشاء بھی ہے پس اس قول کا اصل محرک اصول قرآنیہ کی توضیح میں سنت کا عظیم کردار ٹھہرا۔ یہی بات علامہ شاطبی کے اس قول سے بھی مؤکد ہوتی ہے۔

''ھکذاسائرمابینه السنةمن کتاب الله تعالی فمعنی کون السنةقاضية علی الکتاب انھامبینة له ''(۱۶)

یعنی ''یہی معاملہ قرآن کی ان تمام آیات کا ہے جن کی تبیین سنت نے کی لہذا کتاب اللہ پر سنت کے قاضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ کی شارح ہے''۔

ذیل میں ہم اس قول کے صحیح مطلب و منشاء کی وضاحت کے لئے چند مثالیں پیش کرتے ہیں:۔ ارشاد الٰہی ہے:۔

''واقیموا الصلوة'' یعنی نماز قائم کرو لیکن ''صلوة'' کے معنی کی تعین میں اختلاف رائے ہوسکتا ہے۔ کوئی شخص کہے گا صلوة کے معنی تسبیح کے ہیں۔ کوئی درود و رحمت بیان کرے گا۔ کوئی شخص یہ کہے گا۔ کہ صلوة کے صحیح معنی وہ کیفیت اعمال ہے جو نبی اکرم نے حکماً و عملاً یوں ظاہر فرمائی' صلوا کمارایتمونی اصلی (۱۷) اور مسلمانوں کے ہر طبقہ میں نسلاً بعد نسل معروف مشہور اور معمول بہ ہے۔

اسی طرح قرآن کی یہ آیت:

[الَّذِینَ اٰمَنُوَاولَم یَلبِسُوا اِیمَانَھُم بِظُلمٍ اُولٰئِکَ لَھُم الاَمنُ وَھُم مُھتَدُون] (۱۸)

(جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا تو انہی لوگوں کے لیے امن ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں)

روایات میں ہے کہ صحابہؓ نے اس آیت کو سن کر کہا تھا کہ اینا لم یظلم ہم میں سے کون ہے جو ظلم سے آلودہ نہ ہو رسول اکرم ﷺ نے ان کی پریشانی کو اس طرح دور فرمایا۔ کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ اس تفسیر کی تائید قرآن حکیم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔

[اِنَّ الشِّرکَ لَظُلمٌ عَظِیمٌ] (۱۹) (بے شک شرک ظلم عظیم ہے)

اگر اس پیغمبرانہ تفسیر کو نہ تسلیم کیا جائے۔ تو لازم آئے گا کہ ظلم کی ہر قسم کا ارتکاب ایک مسلمان کو امن اور نجات سے کلیۃً محروم کر دے گا کیونکہ ''اولٰئک لھم الامن'' میں انداز حصر اس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقتضی ہے' حالانکہ اصل صورت حال یوں نہیں ہے''۔(۲۰)

چنانچہ ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ صرف آیات کے وہی معنی درست مانے جائیں گے جو خود نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمائے۔ آپ ﷺ کا قول و فعل ہی (جو کہ سنت اور احادیث کے نام سے معروف ہے) اس بارے میں فیصلہ کن یا قاضی یا حاکم کی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ قرآن کی کسی آیت کے کون سے معنی صحیح اور منشاء الٰہی کے مطابق ہیں...... یہ ہے اس مقولہ ''احادیث قرآن پر قاضی ہیں'' کا اصل مفہوم جس سے کلام اللہ کی تحقیر و استخفاف لازم نہیں آتا۔

خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب فرمایا کرتے تھے۔

''سیاتی قوم یجادلونکم بشبهات القرآن فخذوهم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب الله''(۲۱)

(عنقریب تمہارے پاس ایک جماعت آئے گی جو قرآنی شبہات کو لے کر تم سے جھگڑا کرے گی۔ تم ان کا مواخذہ سنن نبویہ سے کرنا کیونکہ سنن نبویہ کا علم رکھنے والے ہی کتاب اللہ کے مفہوم کو زیادہ جاننے والے ہیں)

گویا حضرت عمرؓ کے نزدیک بھی قرآنی شبہات میں جدال کی صورت پیش آجانے پر سنت نبوی کا درجہ قاضی کا تھا۔ امام علی بن المدینی بیان کرتے ہیں کہ امام عبدالرحمٰن مہدی کا قول ہے:-

''الرجل الی الحدیث احوج منه من الاکل والشرب وقال الحدیث تفسیر القرآن ''(۲۲)

(کسی شخص کو کھانے پینے سے زیادہ علم حدیث حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور فرمایا حدیث قرآن کی تفسیر ہے)

مندرجہ بالا اقوال اور احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن حکیم کے کسی حکم کے معنی و مقصود کی تعیین میں سنت کو قاضی و ناطق سمجھا جائے گا۔ اور اس کی تائید حضرت عمرؓ کے طرز عمل اور علمائے سلف کے اقوال سے بھی ہوتی ہے۔

کیا کتاب اللہ اور سنت مساوی المرتبہ ہیں؟

شرعی احکام کے اعتبار اور کتاب و سنت سے ان پر استدلال کے لحاظ سے سنت کا کتاب اللہ کے ساتھ یکساں مقام ہے۔

لیکن اس معاملے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سنت کے مقابلے میں قرآن کا مرتبہ اس اعتبار سے بلند و بالا ہے کہ اس کے الفاظ منزل من اللہ ہیں اس کی تلاوت کا حکم ہے۔ اور وہ انسان کو اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز کرتا ہے۔ اس کے برخلاف سنت ان گوشوں میں قرآن سے پیچھے ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حجیت کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے پر برتری حاصل ہے۔

اس ضمن میں عبدالغنی عبدالخالق لکھتے ہیں

''حقیقت امر اس طرح ہے' کیونکہ قرآن کی حجیت اس پہلو سے ہے کہ وہ وحی الٰہی ہے...... چنانچہ اگر وہ معجزہ نہ ہوتا اور رسالت، قرآن کے علاوہ دیگر معجزات سے ثابت ہوتی۔ پھر بھی اس کی حجیت کا اقرار لازمی تھا۔ جیسا کہ پہلی آسمانی کتابوں کے ساتھ ہوا۔ اس پہلو سے بھی سنت قرآن کے مساوی ہے۔ کیونکہ وہ بھی اس جیسی وحی ہے اس لیے یہ کہنا ضروری ہے کہ اس اعتبار سے سنت کا درجہ قرآن کے بعد نہیں ہے'' (۲۳)

بعض علماء کا حدیث کے بارے میں نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ قرآن کو اصل اور حدیث کو ایک فرع کی حیثیت دیتے ہیں۔ جیسا کہ حمید الدین فراہی ''مقدمہ نظام القرآن'' میں تفسیر کے خبری ماخذ کے تحت لکھتے ہیں۔

''اصل واساس کی حیثیت قرآن کو حاصل ہے اس کے سوا کسی چیز کو حاصل نہیں ہے باقی فرع کی حیثیت سے تین ہیں۔ اول وہ احادیث جن کو علمائے امت نے پایا۔ دوم قوموں کے وہ ثابت شدہ احوال جن پر امت نے اتفاق کیا' سوم گذشتہ انبیاء کے صحیفوں میں جو کچھ محفوظ ہو کر رہ گیا اگر ان تینوں میں ظن اور شبہ کو دخل نہ ہوتا تو ہم ان کو فرع کے درجہ میں نہ رکھتے۔ بلکہ سب کی حیثیت اصل کی قرار پاتی'' (۲۴)

علمائے اہل حدیث میں سے ڈاکٹر لقمان سلفی فرماتے ہیں:۔

''بے شک شرعی احکام کے استنباط کے لئے احتجاج اور رجوع کے اعتبار سے سنت قرآن میں دوسرے درجہ میں ہے کیونکہ کوئی (مجتہد) کسی واقعہ کے متعلق بحث وتمحیص میں سنت کی طرف اس وقت تک رجوع نہیں کرتا جب تک کہ مطلوبہ حکم کی معرفت قرآن میں نہ پائی جاتی ہو'' (۲۵)

اس بارے میں اور بہت سے علماء کے اقتباسات پیش کئے جا سکتے ہیں۔ جن کا لب لباب یہ ہے کہ سنت قرآن کی بیان وتفسیر کی بناء پر بلحاظ اعتبار قرآن فروتر ہوئی۔ البتہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیان ومبین مساوی المرتبت ہوتے ہیں۔ بعض اوقات مبین چیز مجمل پر مقدم ہوتی ہے۔

ذیل میں اس مؤقف کی تائید میں چند شواہد پیش کئے جاتے ہیں۔

۱) [وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ٥ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی] (۲۶)

(یعنی وہ رسول اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے بلکہ آپ کا ارشاد وحی ہوتا ہے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

۲) ترکت فیکم امرین لن تضلوا ماتمسکتم بھما: کتاب اللہ وسنتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض (۲۷)

یعنی میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے' گمراہ نہ ہوگے۔ کتاب اللہ اور میری سنت اور یہ دونوں چیزیں علیحدہ نہ ہونگی تا آں کہ حوض پر وارد ہوں''

تمام صحابہ کرام عہد رسالت میں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد قرآن کریم اور آپ ﷺ کے ارشاد کے مابین کوئی تفریق نہیں کرتے تھے۔ صحابہ کرام کے بعد تمام تابعین اور محققین علمائے سلف و خلف کا بھی یہی مؤقف رہا۔ اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔

۳) حضرت عمرؓ کا قول ہے۔

''تعلموا الفرائض والسنة کما تتعلمون القرآن''(۲۸)

''یعنی فرائض اور سنت رسول اس طرح سیکھو جس طرح قرآن مجید سیکھتے ہو''

۴) مروی ہے کہ مشہور تابعی حضرت عبدالرحمٰن بن یزید النخعی الکوفی (۸۳ھ) نے موسم حج میں ایک شخص کو حالت احرام میں سلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا۔ اس شخص نے عبدالرحمٰن سے کہا آپ میرے لباس کے بارے میں جو اختلاف کر رہے ہیں۔ اس کی تائید میں کتاب اللہ کی کوئی آیت پیش کریں (کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے) یہ سن کر عبدالرحمٰن نے اس کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

[وَمَآ آتٰكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهٰكُم عَنهُ فَانتَهُوا](۳۰)

۵) محمد مصطفے الاعظمی قرآن وسنت کے باہمی تعلق کی وضاحت اس آیت کی روشنی میں یوں بیان کرتے ہیں۔

وتشیر ھذا الآیۃ الکریمۃ الی تلقی الشریعۃ من مصدر واحد ......سواء کان ذلک قرآناً اوسنۃ وکلاھما من وحی اللہ سبحانہ وتعالی (۳۱)

(یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ شریعت کو ایک ہی مصدر سے لیا جائے خواہ قرآن ہو یا سنت کیونکہ وہ دونوں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے وحی ہیں)۔

۶) ہمارے مؤقف کی تائید قاضی عبدالغنی عبدالخالق کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے' لکھتے ہیں۔:

''وحی غیر متلو کی حجیت' وحی متلو کی آمد پر موقوف نہیں کیونکہ دونوں من جانب اللہ ہیں دونوں اپنی جگہ مستقل، اہمیت صرف اس کی ہے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ دونوں من جانب اللہ ہیں۔ اور اسے معجزہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثابت کرتا ہے خواہ وہ معجزہ قرآن ہو یا اور کچھ اور جب دونوں من جانب اللہ ہیں تو ان میں حقیقتاً باہم کوئی اختلاف ہونا ممکن نہیں اور نا ممکن ہے کہ کتاب وسنت جبکہ دونوں قطعی الدلالۃ والثبوت ہیں' کے درمیان اتحاد زمانہ کے باوجود تعارض واقع ہو جائے۔ جو تعارض کے واقع ہونے کے لیے شرط ہے"(۳۲)

۷) امام احمد بھی اس نقطہ نظر کے حامی ہیں کہ حدیث اور قرآن کے مابین کوئی فرق نہیں۔ حافظ ابن قیم نے جہاں امام احمد کے استدلال کا ذکر کیا۔ تو اصل اول نصوص کو قرار دیا۔ اور بیان و احکام کے سلسلہ میں نصوص قرآن کو نصوص سنت پر مقدم نہیں رکھا۔

۸) امام خطیب بغدادی نے اپنی کتاب "الکفایہ فی علم الروایۃ" میں وجوب عمل اور لزوم تکلیف کے باب میں کتاب اللہ اور سنت رسول کو متساوی الحکم قرار دیتے ہوئے ایک عنوان یوں قائم کیا۔

باب ماجاء فی التسویۃبین حکم کتاب اللہ وحکم سنۃرسول اللہﷺعلیہم فی وجوب العمل و لزوم التکلیف "(۳۳)

۹) شیخ محمد ناصر الدین الالبانی قیاس کی مشروعیت کے لئے پیش کی جانے والی مشہور حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حدیث معاذ میں حکم وفیصلہ کے تین مرحلے بیان کئے گئے ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ رائے میں حکم کی تلاش سنت کے بعد ہوگی اور سنت میں قرآن کے بعد رائے کے متعلق تو یہ قاعدہ صحیح ہے۔ لیکن سنت کے سلسلہ میں یہ قاعدہ صحیح نہیں کیونکہ سنت قرآن کے سلسلہ میں حاکم اور اس کی مبین ہے۔ اس لئے قرآن میں ضروری ہے۔ قرآن کے ساتھ سنت کا تعلق ہرگز ویسا نہیں جیسا کہ سنت کے ساتھ رائے کا۔ بلکہ کتاب وسنت دونوں کو ایک ہی جاننا ضروری ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی جانب یوں اشارہ کیا (الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ)۔ یعنی سنو! مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کے مثل ایک اور چیز اور اس چیز سے مراد سنت ہی ہے...... اس لئے قرآن وسنت کے مابین درجہ کی تعیین صحیح نہیں کیونکہ اس سے دونوں میں تفریق لازم آتی ہے جو کہ باطل ہے"(۳۴)

پس ثابت ہوا کہ قرآن وسنت کے مابین کسی قسم کی تفریق تقدیم وتاخیر یا مدارج کی تعیین قرآن وحدیث کے تقاضا اور سلف وصالحین کے آثار' نیز علماء ومحققین کے فیصلوں کے منافی ہے اصلاً دونوں یکساں طور پر مساوی المرتبہ ہیں۔

کیا فہم قرآن کے لیے اہل زبان ہونا کافی ہے؟

کوئی شخص عربی زبان پر خواہ کتنی ہی قدرت کیوں نہ رکھتا ہو اس کے لئے آنحضور ﷺ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قولی وفعلی احادیث کے بغیر قرآن کریم کی آیات کا صحیح مفہوم سمجھ لینا ممکن نہیں۔اس ضمن میں مولانا سعید احمد اکبرآبادی لکھتے ہیں:

''اگر فہم قرآن میں سنت سے مدد نہ لی جائے تو اس سے نہ صرف یہ کہ منقولات شرعیہ یعنی وہ الفاظ جو لغتاً کسی معنی میں مستعمل ہوئے تھے لیکن شریعت نے ان کے معانی مخصوص و متعین کر دیئے...... بلکہ لغت کی روشنی میں بھی بعض آیات کے مفہوم کو صحیح طور پر متعین نہیں کر سکتے''(۳۵)

علامہ شاطبی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں

وتعلم بذلک أن بیان السنة ھومراد اللہ تعالیٰ من تلک الصیغ فاذاطرحت واتبع ظاھرالصیغ بمجردالھوی صارصاحب ھذاالنظرضالا فی نظرة جاھلاً بالکتاب حابطافی عمیاء(۳۶)

(اس سے آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ان صیغوں سے سنت کی وضاحت ہی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔اگر سنت کے بیان کو بالائے طاق رکھ کر محض خواہش سے ظاہر الفاظ اور صیغوں کی اتباع کی جائے گی۔تو ایسا شخص راہ صراط سے بھٹکنے والا کتاب اللہ سے جاہل اور اندھیرے کنوے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والا ہوگا)

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام زبان داں اور عربی فصاحت و بلاغت سے پورے طور پر واقف ہونے کے باوجود بعض آیات کا مطلب نہیں سمجھتے تھے۔اور آنحضرت ﷺ کی طرف رجوع کرتے تھے۔چنانچہ آیت حج لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا]''(۳۷) نازل ہوئی تو ایک صحابی نے دریافت فرمایا کیا العامناھذا یارسول اللہ (۳۸) یہ حکم اسی سال کے لئے یا ہر سال کے لئے؟ پھر آپ نے اس کی تشریح فرمائی کہ ایک شخص پر عمر بھر میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے(۳۹) بشرطیکہ اس میں فرضیت حج کی شرائط پائی جائیں۔ظاہر ہے یہاں بھی صحابی رسول ﷺ اہل زباں ہونے کے باوجود محض زبان کی مدد سے اس کا صحیح مطلب و مقصد نہ سمجھ پائے تھے۔اس ضمن میں جناب مفتی محمد شفیع ''قرآن فہمی کیلئے حدیث رسول ضروری ہے حدیث کا انکار درحقیقت قرآن کا انکار ہے'' کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں:

[وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ] (۴۰)

(اور ہم نے یہ ذکر آپ کی طرف اس لئے نازل کیا تا کہ آپ (نبی ﷺ) لوگوں کیلئے اس کی وضاحت کر دیں)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت میں ذکر سے مراد بالاتفاق قرآن کریم ہے اور رسول اللہ کو اس آیت میں مامور فرمایا ہے کہ آپ قرآن کی نازل شدہ آیات کا بیان اور وضاحت لوگوں کے سامنے کر دیں۔ اس میں اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن کریم کے حقائق و معارف اور احکام کا صحیح سمجھنا رسول کریم کے بیان پر موقوف ہے اگر ہر انسان صرف عربی زبان اور عربی ادب سے واقف ہو کر قرآن کے احکام حسب منشاء خداوندی سمجھنے پر قادر ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کو بیان و توضیح کی خدمت سپرد کرنے کے کوئی معنی نہیں رہتے۔ (۴۱)

پس معلوم ہوا انسان کو زبان سے زیادہ سنت کا جس قدر وسیع علم ہوگا اس کے مطابق اسے قرآن کو سمجھنے اور اس سے احکام مستنبط کرنے میں آسانی ہوگی۔ اس ضمن میں شاہ ولی اللہ نے بھی سنت کی ضرورت و اہمیت کو مثالوں کے ذریعہ سمجھایا جائے اور اس پر نہایت نفیس بحث کی ہے۔ لکھتے ہیں :-

اس طرح جب ہم شارع کو دیکھتے ہیں۔ کہ جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ تو رکوع سجود کرتا ہے۔ اپنے بدن سے ناپا کی دور کرتا ہے۔ اور ہر دفعہ ایسا ہی کرتا ہے تو ہم کو یقین ہوگا کہ یہ امور مقصود ہیں۔ اگر تم حق معلوم کرنا چاہتے ہو تو ذاتی صفات معلوم کرنے کا مدار علیہ یہی ہے" (۴۲) غرض اس طرح کی مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ فہم القرآن کے لیے سنت کا مطالبہ کس قدر ضروری ہے۔ اس کی تائید ابن عبدالبیر کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔

"یرید انها تقضی علیه وتبین المراد منه" (۴۳)

"یعنی سنت قرآن پر حکم اور اس کی مراد کو واضح کرنے والی ہے"

فہم قرآن میں سنت کی ضرورت و اہمیت:

فہم قرآن میں سنت کی ضرورت و اہمیت کیلئے چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔ علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب میں تفصیل سے ان مثالوں کا تذکرہ کیا ہے لکھتے ہیں۔

۱) [حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیطُ الاَبیَضُ مِنَ الخَیطِ الاَسوَدِ] (۴۴)

(یہاں تک کہ تم کو سفید دھاگے صبح کا متمیز ہو جائے سیاہ دھاگے سے)

هما بیاض النهار وسواد الیل" (۴۵)

"اس آیت سے مراد دن کی سفیدی اور رات کی تاریکی ہے"

۲) اور آیت [وَلَقَدرَاٰہُ نَزلَۃً اُخرٰی عِندَ سِدرَۃِ المُنتَہٰی] (۴۶) کی تفسیر میں رویت سے حضرت جبرئیل کی رویت بیان کی (۴۷)

۳) آیتوں کی وضاحت کی مثلاً [اِتَّخَذُوا اَحبَارَھُم وَ رُھبَانَھُم اَربَابًا مِّن دُونِ اللّٰہِ] (۴۸)

(اور انہوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا) کے متعلق فرمایا کہ حقیقۃ رب بنانا مراد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں بلکہ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کے کرنے میں اخبار و بیان کا حق تسلیم کرنا مراد ہے۔(۴۹)

۴) ایتوں کے شان نزول بیان کئے مثلاً یا خت ھرون (اے ہارون کی بہن) فرمایا کہ ہارون سے مراد نبی نہیں بلکہ دوسرا شخص ہے۔

۵) قرآن میں میتۃ کو حرام قرار دیا گیا۔لیکن حدیث میں اس حکم سے دو حیوانات کو مستثنیٰ رکھا گیا۔مچھلی اور ٹڈی (۵۰)

۶) بعض اوقات حدیث قرانی حکم کا نصاب مقرر کرتی ہے۔قرآن کہتا ہے:۔

[وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقطَعُوا اَيدِيَهُمَا](۵۱)

''اور چور خواہ عورت ہو یا مرد دونوں کے ہاتھ کاٹ دو''

بظاہر قرآن کے اس حکم سے معمولی چوری پر بھی ہاتھ کاٹا جاسکتا ہے۔''لیکن یہ بات صحیح نہیں حدیث نبوی چوری کی سزا کا نصاب مقرر کی ہے۔چنانچہ فرمایا:۔

''**لا قطع فی ربع دنيار**'' (۵۲)(ربع دینار سے کم کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا)

۷) بعض اوقات حدیث' قرآنی حکم کی اور علت بیان کرتی ہے۔قرآن مجید کہتا ہے کہ:۔

۸) [وَاَن تَجمَعُوا بَينَ الاُ ختَينِ](۵۳)

اور یہ بھی تمہارے لئے حرام کیا گیا کہ ایک نکاح میں دو بہنوں کو (بیک وقت) جمع کرو۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ نے اسے کیوں حرام کیا اس کی علت کیا ہے۔چنانچہ حدیث میں ہے''واذا فعلتن ذلک قطعتن ارحامکن''(۵۴) جب تم ایسا کرو گے تو اپنی قرابتیں کاٹ ڈالو گے۔

۹) سورۃ الاعراف میں ارشاد ہوتا ہے:

[يٰبَنِى اٰدَمَ خُذُوا زِينَتَكُم عِندَ كُلِّ مَسجِدٍ](۵۵)

(اے بنی آدم ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو مزین کیا کرو)

''اس آیت میں اللہ کی پیدا کردہ زینت اور پاکیزہ رزق کو حلال بتایا گیا۔لیکن سنت کی رو سے زینت کی اشیاء میں ریشم اور سونے کے استعمال کو مردوں کے لئے حرام قرار دیا گیا۔

''اخذالنبی حریرافجعله فی یمینه واخذذهبافجعله فی شماله ثم قال :ان هذین حرام''علی ذکور امتی''(۵۶)

نبی اکرم ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ میں ریشم اور بائیں ہاتھ میں سونا لے کر فرمایا یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ حلال وحرام کے معاملے میں سنت کی اہمیت کتنی ہے۔(۵۷)
ہمارے اس مؤقف کی تائید صحابہ کرام اور علماء۔ کے اقوال سے بھی ہوتی ہے۔

۱) امام شافعی کا قول ہے: تمام وہ باتیں جن کی امت قائل ہے۔سب سنت قرآن کی شرح ہیں(۵۸)
اور یہ بھی انہی کا قول ہے۔ جتنی باتوں کا نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا ہے۔ وہ سب باتیں ایسی ہیں جن کو آپ نے قرآن سے سمجھا تھا(۵۹)

صحابہ کرام اور علمائے سلف وخلف کے درج بالا اقوال سے ہمارے اس مؤقف کی تائید ہوتی ہے کہ قرآن فہمی سنت کے بغیر ممکن نہیں۔

رسول ﷺ کے چند اجتہادی فیصلے۔

مثلاً قرآن مجید آپ کا منصب بیان کرتا ہے۔

۱) [وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيهِمُ الخَبَائِث](۶۰)
(اور "نبی" پاک چیزیں ان کے لئے حلال کرتے ہیں اور خبیث اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں)
اس اصول کی روشنی میں آپ نے گدھا۔ کتا، پھاڑنے والے جانور اور پنجے دار پرندے حرام ٹھہرائے)

۲) [مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهٰكُم عَنهُ فَانتَهُوا](۶۱)
(رسول اللہ ﷺ جو تمہیں دیں اسے لے لو۔اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز آجاؤ)
سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا نزول مال فے کے بارے میں ہوا ہے۔لیکن ساتھ ہی الفاظ کے عموم سے جو ایک عام حکم اور کلی قاعدہ معلوم ہوتا ہے۔اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔اس بناء پر عبداللہ بن مسعودؓ نے اس آیت کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے ایک عورت کو وشم (جسم گندوانے) سے منع کیا۔اور آیت "ما اتکم الرسول" پڑھتے ہوئے فرمایا اس سے وشم کی ممانعت ہوگئی کیونکہ آنحضور ﷺ نے فرمایا لعن اللہ الواشمات(۶۲)

۳) [مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَد اَطَاعَ اللّٰهَ]۔(۶۳)
اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یطع الرسول سے مراد قرآن کی پیروی نہیں بلکہ سنت کی پیروی مراد ہے۔کیونکہ قرآن کی اطاعت کے بارے میں کسی کو شک نہیں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں۔ اگر کچھ وہم ہوسکتا تھا تو سنت رسول ﷺ کے بارے میں ہو سکتا تھا کہ اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہوگی یا نہیں۔مندرجہ بالا آیت نے اس قسم کے وہم کی جڑ کاٹ دی۔اس حکم کا مزید اندازہ حسب ذیل دو آیتوں سے لگایا جاسکتا ہے۔

[وَمَا رَمَيتَ اِذ رَمَيتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى](۶۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(اور آپ نے نہیں (مٹھی بھر کنکر) پھینکے جب کہ آپ نے پھینکے لیکن اللہ نے پھینکے)

[اَنَّ الَّذِینَ یُبَایِعُونَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُونَ اللّٰہَ](۶۵)

(بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں۔بس وہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں)۔

عبدالغفار حسن اس بارے میں لکھتے ہیں۔

''آپ کا فعل ''رمی'' یا مسلمانوں کا آپ سے بیعت کرنا۔اللہ کے حکم سے تھا۔اس لئے ان دونوں افعال کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ظاہر کیا گیا۔اس طرح رسول ﷺ کی اطاعت بھی اللہ ہی کے حکم سے ہوتی ہے اس لیے اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔''(۶۶)

حدیث کی قسمیں:

سنت کی کتاب کے ساتھ باعتبار مضمون' (قرآن کے احکام پر دلالت اور قرآن کے علاوہ دوسرے چیزوں پر دلالت کی حیثیت سے تین قسمیں ہیں۔جیسا کہ امام شافعی نے اپنی کتاب الرسالہ میں ذکر کیا ہے' لکھتے ہیں:

''وسنة رسول الله ﷺ من ثلاثة أوجه أحدها:ما انزل فيه نص كتاب فبيّن رسول الله مثل ما نص الكتاب والآخر مما أنزل فيه جملة كتاب فبين عن الله معنى ما اراد وهذا ن الوجهان اللذان لم يختلفوا فيهما والوجهه الثالث ماسن رسول الله فيما ليس فيه نص كتاب''(۶۷)

''سنت رسول ﷺ کی باعتبار مضمون تین قسمیں ہیں۔پہلی قسم جس کے بارے میں کتاب اللہ کی کوئی نص موجود ہے اور رسول اللہ ﷺ نے کتاب اللہ کے مطابق اس کی وضاحت کر دی ہے۔اور دوسری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو اختصار سے بیان کیا ہے اور رسول اللہ نے اس کی وضاحت کر دی۔ان دونوں اقسام کی حجیت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔اور تیسری قسم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسا طریقہ جاری کیا جو کتاب اللہ میں نہیں ہے''

محمد بن مطر الزہرانی امام شافعی کی تیسری قسم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''وهذا الاخير هو المراد بالزيادة على النص في اصطلاح الاصوليين (۶۸)

اور آخری قسم سے مراد اصولیین کی اصطلاح میں قرآن سے زائد (احکام والی) احادیث ہیں۔''

امام ابن تیمیہ نے بھی سنت کی تین قسمیں بیان کی ہیں:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱) ''وہ سنت متواتر جو ظاہر قرآن کے خلاف نہ ہو بلکہ اس کی مفسر ہو مثلاً نمازوں کی تعداد، یا زکوۃ کا نصاب یا حج کے ارکان وغیرہ اس طرح کے دوسرے احکام سنت سے ہی معلوم ہو سکتے ہیں۔ اور علماء اسلام کا ان کے بارے میں اجماع ہے کہ یہ قرآن کا تتمہ اور تکملہ ہیں۔ پس جو ان کی حجیت کا انکار کرتا ہے۔ وہ علم دین کا انکار کرتا اور رکن اسلام کو منہدم کرتا اور اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اتار پھینکتا ہے۔

۲) ایسی سنت متواتر جو قرآن کی تفسیر نہیں کرتی۔ نہ ظاہر قرآن کے خلاف ہے۔ لیکن ایسے حکم کو بتاتی ہے جو قرآن میں صراحتہ مذکور نہیں ہے جیسے زانی کے لئے (جبکہ شادی شدہ ہو) سنگسار کی سزا یا نصاب سرقہ کی تعیین۔ تمام سلف امت اس قسم کی سنت پر بھی عمل ضروری سمجھتے ہیں سوائے خوارج کے۔

۳) رسول اکرم ﷺ سے تواتر سے مروی سنتیں، تلقی بالقبول کی حیثیت سے یا یہ کہ ثقات نے ان کو روایت کیا ہے۔ ان کے بارے میں اہل علم فقہ و حدیث وتصوف کا اتفاق ہے ایسی حدیثیں قابل قبول ہیں اور ان کی اتباع واجب ہے (۶۹)

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں:

''سنت کا قرآن کے ساتھ تین طرح کا تعلق ہو سکتا ہے۔ پہلا تعلق یہ ہے کہ سنت ہر طرح سے قرآن کے موافق ہو۔''

دوسرا تعلق یہ ہے کہ سنت قرآن کی مراد اور منشاء کو بیان کرتی ہو تیسرا تعلق یہ ہے کہ سنت ایسے حکم پر دلالت کرتی ہو جس میں قرآن خاموش ہے'' (۷۰)

عبدالغنی عبدالخالق لکھتے ہیں۔ صاحب الفکر السامی نے (ابن قیم نے حدیث کی جو تیسری قسم بیان کی) اسی حصر پر اشکال وارد کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ حدیث کی چوتھی قسم یہ ہے'' (۷۱)

جناب خالد مسود نے ''احکام رسول کا قرآن مجید سے استنباط'' کے زیر عنوان افادات فراہی کو مرتب کرتے ہوئے احکام رسول کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔ لکھتے ہیں :-

''پہلی قسم کے وہ احکام جن کے بارے میں حضور ﷺ نے صراحت فرمائی کہ وہ کتاب اللہ سے مستنبط ہیں حالانکہ ظاہر کتاب کی نص میں وہ حکم موجود نہیں۔ گویا وہ حکم مستنبط ٹھہرے اور حضور ﷺ کے فرض تبیین کے مطابق ہیں۔ ان احکام میں اصل فروع پر غور کر کے ان کے استنباط کا پہلو معلوم کرنا دشوار نہیں ہوتا۔

۲) دوسری قسم وہ احکام ہیں جن کے متعلق حضور ﷺ نے خود صراحت نہیں فرمائی مگر قرآن مجید سے ان کے استنباط کا پہلو کلام کی دلالتوں کے ایک عارف پر ظاہر ہے یعنی ایک تو یہ حکم قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ماخوذ ہونے کی بنا پر صحت سے قریب تر ہوتا ہے اور خدا نے نص کتاب کی روشنی میں فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے دوسرے آپ ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ کتاب اللہ کو سمجھنے والے تھے تیسرے عرب قوم کی یہ خصوصیت تھی کہ کلام کے ارشادات و کنایات کو خوب سمجھنے والے تھے اور حضور ﷺ کو چونکہ نور و ہدایت خدا کی طرف سے حاصل تھی اس لئے آپ اس معاملے میں زیادہ ذکی تھے۔

۳) تیسری قسم وہ احکام جن کے متعلق قرآن میں کوئی نص وارد نہیں البتہ وہ اضافہ کا متحمل ہے۔ ایسے احکام میں ہم سنت کو مستقل اصل قرار دینگے۔ کیونکہ ہمیں اطاعت رسول ﷺ کا عام حکم دیا گیا ہے اور رسول ﷺ کا حکم یکساں طور پر پر از حکمت ہوتا ہے۔ خواہ وہ کتاب اللہ کی بنیاد پر ہو یا اس نور و حکمت کے مطابق ہو جس سے خدا نے آپ کا سینہ بھر دیا تھا۔ اس اعتبار سے حضور ﷺ کے احکام کی تیسری قسم بھی حقیقت میں قرآن سے ماخوذ ہے۔

یہ تین قسمیں حضور ﷺ کے احکام کی واقعی قسمیں ہوئیں۔

۴) چوتھی قسم ان احکام پر مبنی ہے جو کتاب اللہ سے زائد ہیں اور کتاب ان کی محتمل نہیں

۵) پانچویں قسم ان احکام پر مشتمل ہے جو قرآن کے خلاف ہو۔

یہ آخری دونوں قسمیں فرضی ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ان سے قرآن کا جلی یا خفی نسخ لازم آتا ہے علماء کے درمیان جو اختلاف ہوا ہے وہ انہی احکام میں ہوا ہے لیکن یہ احکام گنے چنے ہیں''۔(۷۲)

خالد مسعود احادیث کی جن چوتھی اور پانچویں قسموں کے قائل ہیں۔ علماء نے اس پر اعتراض وارد کیا ہے اس ضمن میں غازی عزیر لکھتے ہیں۔

> ''یہاں ہم آں موصوف سے یہ پوچھیں گے کہ یہ آخری دونوں اقسام کی احادیث کے فرضی اور درحقیقت انکے عدم وجود پر آں محترم کے مطلع ہونے کا ذریعہ کیا ہے؟ پھر آں جناب کے پاس ایسا کون سا پیمانہ ہے جن سے ناپ کر یقینی طور پر یہ علم ہو سکے کہ کتاب اللہ سے زائد احکام والی فلاں احادیث کا قرآن محتمل ہے۔ اور فلاں کا نہیں؟ نیز یہ کہ جب منجانب اللہ واضح طور پر اطاعت الٰہی کے ساتھ مکمل اطاعت رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ خواہ آپ ﷺ کا وہ حکم کتاب اللہ میں صراحۃ مذکور ہو یا نہ ہو۔ تو ان احادیث سے متعلق اطاعت رسول سے انکار آخر کس بنیاد پر ہے۔؟ جب یہ بات بھی ہر خاص و عام کے علم میں ہے نبی اکرم ﷺ قرآن کے شارح مبین تھے۔ تو جس آیت کے جو معنی بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آں حضورﷺ بیان فرمائیں اسے بلا ردو قدح اور بلا چون و چرا قبول کر لینے میں اعتراض کیسا جو حکم قرآن سے زائد یا بظاہر خلاف نظر آئے وہ فرضی یا درحقیقت اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے؟ ایک مزید سوال یہ بھی ہے کہ جب ایک مومن کے دین وایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز کو رسولﷺ دیں اسے لے لے اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے باز آ جائے اور جس معاملہ میں آپ کوئی فیصلہ فرمادیں اسے بخوشی قبول کرنے میں کسی قسم کا پس وپیش نہ کریں تو پھر ان اضافی احکام پر مبنی یا بظاہر خلاف قرآن احادیث سے انکار کرنے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے۔" (۷۳)

مندرجہ بالا تبصرہ کے بعد ہم قرآنی مطالب کو سامنے رکھتے ہوئے مضمون کے اعتبار سے احادیث کی قسموں کا تذکرہ کریں گے۔

۱۔ قرآنی آیات کے موافق یا مترادف سنت واحادیث

ایسی احادیث جو قرآنی آیات کے الفاظ اور ان کی مخصوص ترتیب کے اعتبار سے اگرچہ مختلف ہوں مگر معنوی اعتبار سے دونوں میں پوری یکسانیت پائی جاتی ہے۔ ایسی احادیث قرآن سے ہم آہنگ ہونے کے باعث اسکی تائید وحمایت کرتی ہیں۔ ایسی سنتوں کے بارے میں لقمان سلفی لکھتے ہیں۔

"ماجاء فی السنة موافقاًلنص الکتاب الکریم ٗفتکون السنة حنیئذ واردة مورد التأکید له" (۷۴)

"جو سنت میں بیان ہوا ہے اگر وہ قرآن کریم کی نص کے موافق ہے تو اس وقت سنت قرآن کیلئے بطور تاکید وارد ہوگی"

احادیث کی اس قسم کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

[وَاَنَّ ھَذَاصِرَاطِی مُستَقِیمًافَاتَّبِعُوہ ُولاتتبعواالسُّبُلَ فَتَفَرَّق بِکُم عَن سَبِیلِه ذٰالِکُم وَصّٰکُم بِه](۷۵)

(اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے پس تم اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر نہ چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کردیں گی اس کا اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے)۔

تقریباً یہی مضمون حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک حدیث میں یوں مروی ہے۔

"خط لنارسولﷺخطاثم قال ھذاسبیل الله ثم خط خطوطاًعن یمینه وشماله وقال:ھذه سبل.علی کل سبیل منھاشیطان یدعو الیه"(۷۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''یعنی رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے پھر اس لکیر کے دائیں بائیں چند لکیریں اور کھنچیں اور فرمایا (یہ غیر اللہ کے) راستے ہیں ان راستوں میں سے ہر راستہ پر شیطان ہے جو اس کی طرف بلاتا ہے۔

تقریباً یہی مضمون ایک اور حدیث میں حضرت حذیفہ سے یوں مروی ہے:

یامعشر القراء استقیموا فقد سبقتم سبقا بعیدا فأن أخذتم یمیناً وشمالاً لقد ضللتم ضلالاً بعیدا (۷۷)

اے قراء کی جماعت تم بہت دور نکل گئے ہو لہذا راہ راست پر آجاؤ اگر تم راہ راست سے ہٹ کر دائیں بائیں کا راستہ اختیار کرو گے تو یقیناً سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے۔

۲) [يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُم أَنفُسَكُم لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُم] (۷۸)

یہی مضمون حدیث میں یوں وارد ہے۔

''بلکہ امر بالمعروف کرو اور نہی عن المنکر کرو یہاں تک کہ جب ایسا زمانہ آئے کہ لوگ بخیلی کی اطاعت کریں اور خواہش کی پیروی کریں اور ہر شخص دنیا کو اختیار کرلے (آخرت پر) اور ہر شخص اپنی رائے اور عقل پر نازاں ہو۔ یعنی کتاب وسنت کو چھوڑ کر رائے اور قیاس پر جما رہے اور تو ایسا کام (خلاف شرع) دیکھے جس کے دفع کرنے کی تجھ کو قدرت نہ ہو پس ایسی حالت میں اپنے نفس کی خاص فکر کر اور عوام کی فکر چھوڑ دے اور تمہارے پیچھے ایسے دن آئے ہیں جو صبر کے دن ہیں ان دنوں میں صبر کرنا (اپنے دین اور کتاب وسنت پر چلنا) ایسا ہوگا جیسے انگارے کو ہاتھ میں دبانا اور جو کوئی ان دنوں میں عمل کرے اسکو پچاس ایسے ہی عمل کرنے والوں کا ثواب ہوگا'' (۷۹)

۳) قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

[مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَد أَطَاعَ اللّٰهَ] (۸۰)

یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی

ٹھیک یہی مضمون ابو ہریرہ کی ایک حدیث میں یوں مروی ہے۔

من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ (۸۱)

جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی۔ اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

اگر قرآنی آیات سے مطابقت رکھنے والی اس نوع کی احادیث تلاش کی جائیں تو حدیث کی امہات الکتب میں ایسی روایات کی کافی تعداد مل جاتی ہیں۔ مثلاً سورہ کھف میں حضرت موسیٰ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت خضر کا واقعہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں مذکور ہے وغیرہ وغیرہ۔

۲ قرآنی آیات کی تشریح کرنے والی احادیث

ایسی احادیث جو قرآن کے اجمال کی تفصیل وتشریح اور اس کے عموم کی تشریح اس کے عموم کی تخصیص اور اس کے مطلب ومعنی کی تعین اور واقعاتی پس منظر کی وضاحت کرتی ہیں۔ مثلاً:

ا۔ قرآنی اجمال کی تفصیل وتشریح۔

۱) [اَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ](۸۲)(یعنی نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو)

۲) [اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَت عَلَی المُومِنِینَ کِتَاباً مُوقُوتاً] (۸۳)

(بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات مقررہ میں ادا کرنا فرض ہے)

قرآن کا یہ حکم مجمل ہے نماز قائم کرنے کا طریقہ کیا ہے رکعات کی تعداد کتنی ہے؟۔ اس کے وظائف اور آداب کیا ہیں؟۔ اس کے اوقات کیا ہے؟۔ اس کی کیفیت کیا ہے؟۔ ان سب چیزوں کی تفصیل قرآن میں مذکور نہیں ہے ہمیں احادیث سے ان کا پتہ چلتا ہے۔ اس بارے میں مشہور محدث امام مروزی فرماتے ہیں۔

"وجدت اصول الفرائض کلھا لا یعرف تفسیرھا ولا یمکن تأدیتھا ولا العمل بھا الا بترجمة من النبی ﷺ وتفسیرمنه من ذلک: الصلاة والزکاة والصیام والحج والجھاد" (۸۴)

میں نے تمام اصول وفرائض مثلاً نماز زکوۃ اور حج اور جہاد کو پایا ہے کہ ان کی تفسیر کا جاننا ان کو ادا کرنا یا ان پر عمل کرنا ناممکن ہے الا یہ کہ ان کی تفسیر اور کیفیت نبی اکرم ﷺ کے ذریعے معلوم ہو۔

ب۔ معنی ومفہوم کی تعیین

[فَاِن طَلَّقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَہ' مِن بَعدُ حَتّٰی تَنکِحَ زَوجاً غَیرَہ'](۸۵)

"اگر وہ اس کو تیسری طلاق دے دے تو وہ عورت اسکے لئے حلال نہیں ہوتی جب تک ایک اور خاوند سے نکاح نہ کرے"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری طلاق کے بعد بیوی شوہر پر حرام ہو جاتی ہے اب وہ از سر نو نکاح کر کے بھی اسے اپنے گھر میں آباد نہیں کر سکتا ہاں صرف اس صورت میں جبکہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے۔ اب اگر دوسرا شوہر اس کو طلاق دے دے تو پھر پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے اس آیت میں نکاح کے معنی ایجاب وقبول کے نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے مراد جنسی تعلق بھی ہے۔

یہ تعیین و وضاحت حدیث سے معلوم ہوتی ہے حدیث کے الفاظ یوں ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"حتی تذوقی عسیلته ویذوق عسیلتک"(۸۶)

"یہاں تک کہ تو اس کا مزہ چکھ لے اور وہ تیرا مزہ چکھ لے"

ج۔ **خاص و عام:** قرآن کریم میں ہے۔

[اِذَا قُمتُم اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغسِلُوا وُجُوھَکُم وَاَیدِیَکُم اِلَی المَرَافِقِ] (۸۷)

جب تم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو۔

اس آیت میں وضو کا حکم دیا گیا ہے۔ آیت کے الفاظ عام ہیں خواہ انسان پہلے باوضو ہو یا بے وضو یا صرف بے وضو شخص ہی وضو کرے باوضو شخص کیلئے تجدید وضو ضروری نہیں ہے۔ اس آیت کے متعلق قاضی ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں:

ظاھر الایۃ یقتضی وجوب الطھارۃ بعد القیام الی الصلوۃ (۸۸)

"آیت کا ظاہر نماز کے لئے اٹھنے کے بعد وضوء کے وجوب کا مقتضی ہے"

لیکن یہ عمومی حکم اس بارے میں وارد خبر واحد کی بناء پر خاص ہو گیا کہ اگر سو کر اٹھے یا بے وضو ہو اور نماز کا ارادہ رکھتا ہو تو ایسی حالتوں میں وضو کرے اگر پہلے سے وضو کیا ہو تو دوبارہ وضو کرنا باتفاق آئمہ ضروری نہیں۔ قاضی ابوبکر نہایت صراحت کے ساتھ مزید فرماتے ہیں:

"انه بمنزلة المجمل المفتقر الی البیان لایصح الاحتجاج بعمومه"(۸۹)

یعنی آیت بمنزلہ مجمل ہے جو محتاج بیان ہے اس کے عموم سے استدلال صحیح نہیں۔

د۔ **مطلق و مقید**

[السَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقطَعُوا اَیدِیَھُمَا] (۹۰)

(چور مرد اور عورت چوری کریں ان کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالو)

اس آیت میں قطع ید کا حکم عام ہے لیکن یوں تخصیص و تجدید کر دی "تقطع ید السارق فی ربع دینار فصاعدا" (۹۱) یعنی چور کا ہاتھ ربع دینار یا اس سے زیادہ مالیت کی چوری پر کاٹا جائے اس طرح حقیقی مفسر قرآن نے مطلق ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے ساتھ مقید فرمایا۔

۳۔ **قرآن سے زائد احکام و مضامین والی احادیث**

سنت کی تیسری قسم وہ ہے جو قرآن سے زائد ہے۔ سنت سے ثابت شدہ اس طرح کے احکام کے بارے میں یہ کہنا درست ہوگا کہ انکی کوئی نہ کوئی اصل کتاب میں ضرور پائی جاتی ہے یہ اور بات ہے کہ ہمیں اس کا علم نہ ہو سکے۔ (۹۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذیل میں قرآن سے زائد احکام پر مشتمل چند احادیث کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱) [وَحُرِّمَ عَلَیکُم صَیدُ البَرِّ مَادُمتُم حُرُمًا] (۹۳)

(اور خشکی کا شکار پکڑنا تمہارے لئے حرام کیا گیا ہے جب تک کہ تم حالت احرام میں ہو)

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم کے لئے مطلقاً شکار ممنوع ہے۔ اور جو عمداً شکار کرے اس پر سزا واجب ہے۔ لیکن جو احرام میں غلطی سے شکار کرے۔ اس کی جزا و سزا کی نوعیت کیا ہوگی؟۔ اس بارے میں قرآن خاموش ہے لیکن حدیث میں اس کو واضح کیا کہ عمداً اور خطأً دونوں صورتیں جزا سزا کے لحاظ سے یکساں ہیں۔

۲) قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

[وَاَن تَجمَعُوا بَینَ الاُختَینِ] (۹۴) دونوں بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا تمہارے لئے حرام کیا گیا ہے۔ لیکن حدیث اس کے ساتھ ساتھ خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کو بیک وقت نکاح میں رکھنے سے منع کرتی ہے۔ اس اضافے کی کوئی بنیاد قرآن میں موجود نہیں لیکن اگر (ان تجمعوا بین الا ختین) کی علت پر غور کیا جائے۔ تو نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کی اصل معلوم ہوتی ہے یعنی جس طرح دو بہنوں کو سوکنوں کی طرح رکھنا ان کے رشتہ اخوت کو قطع کرنے کے مترادف ہے بالکل اسی طرح خالہ بھانجی پھوپھی بھتیجی کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا اسی علت کا حامل ہے۔ اس کی وضاحت خود نبی اکرم ﷺ نے ایک دوسرے موقع پر فرما دی۔

"اذا فعلتم ذلک قطعتم ارحامکم" (۹۵)

اور جب تم یہ کام کرو گے تو اپنی قرابتیں کاٹ ڈالو گے۔

۳) قرآن مجید میں ایک واضح اصول کے تحت نواقض وضو کا ذکر کیا گیا۔ سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ نیند اور دبر سے خارج شدہ ریح بھی نواقض وضو میں شامل ہے۔

۴) قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

[حُرِمَت عَلَیکُم ...... وَاُمَّھٰتُکُم الّٰتِی اَرضَعنَکُم وَاَخَوَاتُکُم مِنَ الرَّضَاعَةِ] (۹۶)

یعنی تم پر حرام کی گئیں ...... اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنیں قرآن میں رضاعی رشتے دو حرام قرار دئے گئے ماں اور بہن لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ بھی متعدد رشتے رضاعت کی بناء پر حرام ہیں۔ (۹۷)

اب ذیل میں چند ایسی مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن میں قرآن کے ظاہری مفہوم کو حدیث یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجماع امت کی بناء ترک کر دیا جاتا ہے۔

[يَاأَيُّهَاالَّذِينَ آمَنواكُتِبَ عَلَيكُم القِصَاصُ فِى القَتلىٰ اَلحُرُّ بِالحُرِّ وَالعَبدُبِالعَبدِ وَالاُنثىٰ بِالاُ نثىٰ](۹۸)

(اے ایمان والو۔تم پر قصاص فرض کیا جاتا ہے مقتولین کے بارے میں: آزاد آدمی آزاد آدمی کے بدلے اور غلام کے عوض میں غلام اور عورت کے عوض میں عورت)

اس آیت کے ظاہری الفاظ سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کو قتل کر ڈالے تو وہ مرد قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ قرآن اس بارے میں ساکت ہے لیکن حدیث میں یہ اضافی حکم موجود ہے کہ قصاص کے معاملہ میں تمام مسلمان یکساں ہیں۔ "تتکافادمائهم" اس لئے مقتولہ کے عوض بھی قاتل کو قتل کیا جائے گا۔(۹۹) پس اس سے معلوم ہوا کہ احادیث نبویہ یا سنت کے ذریعے قرآن مجید کی کسی آیت کے حکم کو 'عام یا خاص'' سمجھنا جائز ہے۔اور سنت کی بنیاد پر قرآن سے زائد کسی عام حکم کو خاص یا خاص کو عام کرنا درست ہے بشرطیکہ مذکورہ روایت استناد کے معیار پر پورا اترتی ہو جو اہل اصول نے مقرر کیے ہیں۔

کیا زیادۃ التخصیص علی النص جائز ہے؟

قرآن سے زائد احکام پر مشتمل احادیث میں زیادتی کا معاملہ تین حالتوں میں دائر ہے۔

۱۔ "پہلی یہ کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہ ہو جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے۔

۲۔ دوسری یہ کہ وہ ناسخ ہو۔جیسا کہ حنفیہ سنت متواترہ کے متعلق کہتے ہیں۔

۳۔ تیسری یہ کہ مطلق مخصص ہو جیسا کہ حنفیہ کے علاوہ دوسروں کا خیال ہے۔"(۱۰۰)

دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ زیادتی پایۂ ثبوت کو پہنچی ہو گی تو ناسخ ہوگی یا مخصص۔دونوں صورتوں میں اس سے کتاب کی تشریح وتوضیح ہوتی ہے یا اس سے ایسا مستقل حکم معلوم ہوتا ہے۔جس کے متعلق قرآن خاموش ہے۔شوافع اور احناف میں احادیث کے ذریعے نص پر ایسی زیادتی جو استناد کے ذریعے پایہ ثبوت کو پہنچ جائے اس بارے میں اختلاف ہے کہ ناسخ ہوگی یا مخصص۔ شافعیوں کے نزدیک یہ نسخ نہیں اور حنفیوں کے نزدیک یہ نسخ ہے۔کیونکہ ان کے نزدیک عام اپنے تمام افراد پر قطعی الدلالۃ ہے۔اور تخصیص سے حکم بعض افراد سے ساقط ہو جاتا ہے۔اور بعض پر باقی رہتا ہے۔اس لئے اس تخصیص سے ان افراد پر جن سے حکم ساقط ہوا گویا پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔اس اختلاف کی وجہ سے شوافع خبر واحد سے کتاب اللہ کی تخصیص کر لیتے ہیں۔لیکن احناف کے نزدیک کیونکہ یہ نسخ ہے اس لیے خبر واحد سے زیادتی منع ہے۔ بلکہ اس کے لئے خبر مشہور یا خبر متواتر درکار ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مسئلے پر علامہ محب اللہ بہاری نے جو بحث کی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

قرآن مجید کا سنت نبویہ سے منسوخ ہونا جائز ہے۔ امام شافعی کو اس کی قطعیت سے اختلاف ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ایسا ہونا لذاتہ ممکن ہے اور لغیرہ ممتنع نہیں۔ اس لئے اصل اس کا نہ ہونا عدم ہے۔ اس بارے میں استدلال کیا گیا ہے کہ حدیث لا وصیۃ لوارث۔ (۱۰۱) (کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں) نے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں وصیت کرنے کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ جبکہ علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ آیت مذکورہ (۱۰۲) کو حدیث نے نہیں بلکہ آیت میراث نے منسوخ کیا ہے۔ مگر یہ قول مرجوح ہے۔ اس لئے کہ ناسخ کے لیے منسوخ حکم کا معارض ہونا ضروری نہیں۔ اور مذکورہ حدیث میراث اس کے معارض نہیں اس روایت پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ مذکورہ حدیث خبر واحد ہے۔ لہذا اس سے بالاتفاق آیت کا نسخ جائز نہیں ہوگا۔ الّا یہ کہ اس کے مشہور ہونے کا دعویٰ کیا جائے اور یہ روایت شہرت کے قریب تر ہے اس لیے امت نے اس کے اس مفہوم کو قبول کیا ہے۔ لہذا اس صورت میں اس کے ساتھ حنفی مسلک کے مطابق آیت کا نسخ جائز ہوگا۔ لیکن ابو زید کا قول ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت بھی ایسی نہیں کہ مسنوخ ہو مگر اضافے کی صورت میں (۱۰۳) ہمارے موقف کی تائید امام غزالی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے۔

> ''حقیقت یہ ہے کہ اس صورت میں ناسخ (مراد تعمیم و تخصیص کرنے والا) خود اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کی زبان سے یہ کہلوایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ شرط نہیں ہے کہ قرآن مجید کا نسخ (تعمیم و تخصیص) بھی قرآن کے کسی حکم سے ہو بلکہ یہ کام آپ ﷺ پر ایسی وحی نازل کر کے لیا جا سکتا ہے کہ جو قرآن میں مذکور ہے تو اسے قرآن کہا جاتا ہے اور کبھی خدا کا یہ حکم کسی حرف و عبارت کے بغیر نازل ہوتا ہے تو اسے سنت کہہ دیا جاتا ہے۔ اور یہ تمام کلام یعنی (قرآن و سنت) آنحضرت ﷺ سے ہی سنا جاتا ہے بہر حال ناسخ ہر صورت میں ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ'' (۱۰۴)

امام شافعی اپنے شہرہ آفاق تصنیف کتاب ''الام'' لکھتے ہیں ''اور آنحضرت ﷺ کی سنت اللہ تعالیٰ کے منشاء اور ارادے کی وضاحت کرتی ہے۔ اور سنت قرآن کے عام کو خاص اور خاص کو عام کرتی ہے (۱۰۵)

عصر حاضر کے نامور محقق محمد ابو زہرہ لکھتے ہیں:۔

احادیث سے قرآن مجید کی تخصیص کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ اس کے بعض افراد کو اس کے مفہوم سے نکال دیا جاتا ہے بلکہ تخصیص کا مفہوم یہ ہے کہ اسکے ذریعے شارع کا ارادہ اور منشاء ظاہر کیا جاتا ہے کہ فلاں حکم اس میں سرے سے شامل ہی نہیں تھا (۱۰۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عصر حاضر کے اسی محقق نے مقام سنہ من الکتاب کے عنوان سے سنت کے لئے حسب ذیل حقوق کا اثبات کیا ہے۔

۱) ''وہ قرآن مجید کے مبہم کو بیان کرتی ہے۔ اس کے مجمل کی تشریح کرتی ہے۔ اور اس کے عام کو خاص اور خاص کو عام کرتی ہے۔

۲) قرآن مجید کے بیان کردہ اصولوں پر فرائض واحکام کا اضافہ کرتی ہے۔ بایں طور پر ان فرائض واحکام سے قرآن مجید کے بیان کردہ اصولوں کی تکمیل ہوتی ہے۔

۳) ایسے احکام بیان کرتی ہے جن کا ذکر قرآن مجید میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ مثلاً گدھوں کے گوشت کی حرمت، درندوں کی تحریم اور دیات وغیرہ کا ذکر'' (۱۰۷)

پھر یہ کہ سنت کے مخالفین حدیث کیلئے تو قرآن مجید کے احکام کی تخصیص وتعیم کا یہ حق تسلیم نہیں کرتے حالانکہ بعض مقامات پر تخصیص وتعیم کا یہ حق عام مفسرین کو بھی حاصل ہے۔ بقول علامہ العراقی مخصصات (کسی حکم کو خاص کرنے والی اشیاء) پندرہ اقسام پر مشتمل ہیں۔ انہی میں سے بعض اقسام عقلی ہیں ان کے افہام وتفہیم کیلئے کسی نص کی بھی ضرورت نہیں۔ (۱۰۷)

مثال کے طور پر قرآن مجید میں ہے۔ [ان النَّاسَ قَدجَمَعُوالَکُم]
(۱۰۹) (لوگ تمہارے لئے اکٹھے ہوگئے) وارد ہوا ہے

اس آیت میں ''الناس'' کلمہ حصر وجامعیت ہے جو سب لوگوں کے لیے مستعمل ہے۔ مگر اس جگہ اس سے مراد صرف ''کفار مکہ'' ہیں۔

مندرجہ بالا محققین کی آراء کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ قرآن اور احادیث نبویہ کی واضح نصوص کی روشنی میں قرآن مجید کے کسی عام حکم کو خاص اا ور خاص کو عام کیا جاسکتا ہے یا یہ کہ زیادہ التخصیص علی النص جائز ہے۔ اور اس مسئلے میں مزید بحث وتمحیص کی گنجائش باقی نہیں رہتی علاوہ ازیں امت کا یہ اجماع اسی سبیل المؤمنین کا مصداق بھی بنتا ہے۔

ہمارے اس موقف کی تائید حمید الدین فراہی کے قرآن سے زائد احکام پر مشتمل احادیث سے متعلق نقطہ نظر سے بھی ہوتی ہے اس ضمن میں فراہی مکتب فکر کے ترجمان جناب خالد مسعود اپنے ایک مضمون ''حدیث وسنت کی تحقیق کا فراہی منہاج'' میں لکھتے ہیں۔

''اس کے بعد مولانا فراہی یہ اصول قائم کرتے ہیں کہ اگر کسی حکم کا ماخذ قرآن میں متعین نہ کیا جاسکے۔ اور حدیث کا حکم قرآن کے خلاف نہ ہو بلکہ اس پر اضافہ ہو تو یہ اضافہ اس بنا پر قبول کر لیا جائے گا کہ وہ اس نور بصیرت کا نتیجہ ہے جو حضور ﷺ کو اللہ کی طرف سے بطور خاص عطا ہوئی ہے ایسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احکام کو سنت کی مستقل اصل قرار دیا جائے گا کیونکہ ہمیں اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیا گیا ہے۔(۱۱۰)

۴۔ مخالف قرآن احادیث

ایسی احادیث جو بظاہر قرآنی احکام سے متصادم معلوم ہوتی ہیں لیکن یہ تعارض حقیقی نہیں ہوتا بلکہ معمولی فکر و تدبر سے رفع کیا جا سکتا ہے قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کو قرآن مجید کی تبیین کا حق خود عطا کیا جیسا کہ خود منکرین حدیث یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کو تبیین و بیان کا یہ حق بغیر کسی قید و شرط کے عطا کیا ہے کیونکہ حدیث نبوی ﷺ قرآن مجید کی شرح و تفسیر ہے علامہ شاطبی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

> ''پس سنت بمنزلہ تفسیر اور شرح کے ہے۔اور قرآن مجید کی آیت "لتبين للناس" اس پر دلالت کرتی ہے۔سنت کے قرآن پر قاضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ قرآن کی مبین و شارح ہے۔سنت اپنے مفہوم میں قرآن مجید کی طرف راجع ہے۔پس وہ اس کے مجمل کی تفصیل اور اس کے مشکل کا بیان اور اس کے مختصر کی شرح ہے......احادیث نبویہ دو باتوں میں سے ایک کا احتمال رکھتی ہیں۔یا تو یہ کہ وہ قرآن کا بیان ہیں یعنی یہ کہ اس کی بیان کردہ صورت دو احتمالوں میں سے ایک ہوگی لہذا جب مکلّف نے حدیث پر عمل کیا تو قرآن مجید پر بھی عمل ہو گیا اور سنت رسول ﷺ پر بھی اور اگر اس نے حدیث کے بیان پر عمل نہ کیا تو نہ قرآن پر عمل ہوگا اور نہ حدیث پر''۔(۱۱۱)

چنانچہ جب قرآن اور اس کی شرح دونوں چیزیں ہی منجانب اللہ ہیں تو ان دونوں کا ایک دوسرے کے خلاف ہونا عقلاً محال ہوا۔اور قرآن حکیم میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

> [وَلَو كَانَ مِن عِندِ غَيرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اختِلَافًا كَثِيرًا ○] (۱۱۲)
>
> اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے۔

حافظ ابن قیم اس سلسلے میں فرماتے ہیں۔

> ونحن نقول قولا كليانشهد الله تعالىٰ عليه وملائكته انه ليس في حديث رسول ﷺ مايخالف القرآن ولا يخالف العقل الصريح بل كلامه بيان القرآن وتفسيرله وتفصيل لما اجمله وكل حديث رده من رد الحديث لزعمه انه يخالف القرآن فهوموافق للقرآن مطابق له وغايته أن يكون زائد على مافي القرآن وهذا الذي امر رسول ﷺ بقبوله (۱۱۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی ہم عزوجل اور اس کے فرشتوں کو گواہ بنا کر کلی طور پر یہ کہتے ہیں کہ بے شک رسول ﷺ کی حدیث میں کوئی ایسی چیز نہیں جو قرآن یا عقل کے خلاف ہو بلکہ آنحضور ﷺ کا کلام قرآن کی تبیین اور اس کی تفسیر اور اس کے اجمال کی تفصیل ہے۔ اور جس حدیث کو کسی نے یہ سمجھ کر رد کیا ہے کہ وہ مخالف قرآن ہے تو درحقیقت وہ قرآن کے عین مطابق ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسی احادیث قرآن سے زائد مضمون پیش کرتی ہیں اور ان روایات کو قبول کرنے کا آنحضور ﷺ نے حکم دیا ہے۔

حافظ ابن قیم سے بہت قبل امام شافعی نے اپنی مشہور کتاب ''الرسالہ'' نے اس موضوع پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اگر کوئی حدیث محدثین کی شرط پر صحیح ہو تو کبھی بھی قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ (۱۱۴)

امام ابن حزم اندلسی نے بھی اس بارے میں کافی مفید بحث کی ہے چنانچہ محمد عبداللہ بن میسرہ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حدیث کی تین قسمیں ہیں۔

فحدیث موافق لمافی القرآن والاخذبه فرض 'وحدیث زائد علی مافی القرآن فهومضاف الی مافی القرآن والاخذبه فرض' وحدیث مخالف لما فی القرآن فهو مطرح۔ (۱۱۵)

۱) جو کچھ قرآن میں ہے اس کے موافق حدیث...... اس کا اخذ کرنا فرض ہے

۲) جو کچھ قرآن میں ہے اس پر زائد حدیث...... یہ حدیث مضاف الی مافی القرآن ہے۔ اس کا اخذ کرنا بھی فرض ہے۔

۳) جو کچھ قرآن مجید میں ہے اس کے مخالف حدیث...... پس یہ مسترد (کی جاتی) ہیں۔

پھر اس قول کی زبردست تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''قال علی بن احمدلاسبیل الی وجودخبرصحیح مخالف لمافی القرآن اصلاوکل خبرشریعة...... ولاسبیل الی وجه ثالث''(۱۱۶)

کسی خبر صحیح کے احکام قرآن کے خلاف موجود ہونے کی اصلاً کوئی سبیل نہیں ہے۔

ہر خبر شریعت ہے۔ اور تیسری کوئی صورت نہیں۔

ذیل میں ہم اس قسم کی بعض احادیث اور ان کے مخالف قرآن ہونے کی حقیقت پر تبصرہ پیش کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کذبات ثلاثہ کی حقیقت

قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ اِبْرَاہِیمَ اِنَّہ کَانَ صِدِیقًا نَّبِیًّا](۱۱۷)

(اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کتاب ذکر کرو۔ بیشک وہ انتہائی راست باز نبی تھے)

لیکن ایک صحیح حدیث میں مروی ہے۔

"لم یکذب ابراہیم علیہ اسلام الاثلاث کذبات "(۱۱۸)

(یعنی حضرت ابراہیم علیہ اسلام نے صرف تین مواقع پر جھوٹ سے کام لیا)

"بظاہر یہ حدیث قرآن سے متصادم نظر آتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ زیر مطالعہ حدیث قرآن سے کسی طرح متعارض نہیں ہے کیونکہ اس روایت میں تین کذب مذکور ہیں ان میں سے دو وقائع کا ذکر خود قرآن میں موجود ہے۔ اور تیسرے واقعہ کا ذکر بائیبل (۱۱۹) کے علاوہ کتب حدیث میں ہے۔ پس ان وقائع کا انکار کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ جہاں تک توریہ وغیرہ کے ساتھ تاویل کا تعلق ہے۔ تو یہ اطلاق کذب کو مانع نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس سے کوئی عذر شرعی لازم آتا ہے۔ اور نہ کسی اصول متفق علیہا کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔ چونکہ "توریہ اور تعریض" اصل واقعہ کے اعتبار سے صدق پر مشتمل ہوتا ہے لہذا اس حدیث سے حضرت ابراہیمؑ کی عصمت قطعاً داغدار نہیں ہوتی"۔ (جیسا کہ آگے واضح کیا جائے گا۔)(۱۲۰)

غالباً امام رازی پہلے شخص ہیں جنکو یہ حدیث پہلی بار کھٹکی اور انہوں نے دبے الفاظ میں اس کے انکار کی کوشش کی۔

امام رازی لکھتے ہیں:۔

"فلان یضاف الکذب الی رواتہ اولی من أن یضاف الی الانبیاء علیہم الصلاۃ (۱۲۱)

یعنی انبیاء کی طرف جھوٹ منسوب کرنے سے بدرجہا بہتر ہے کہ اس روایت کے راویوں کی طرف اسے منسوب کیا جائے۔

لیکن آں موصوف رحمہ اللہ نے اس چیز پر غور نہ فرمایا کہ جس روایت سے یہ حدیث مروی ہے انہی روایت سے اور بھی احادیث مروی ہیں۔ اور جس عیب کی بنا پر زیر مطالعہ حدیث کو رد کیا جائے گا لامحالہ اس کا اثر ان کی باقی احادیث پر بھی پڑے گا اسلئے یہ انکار باعتبار نتائج آسان نہیں بلکہ انتہائی خطرناک ہے۔ (۱۲۲)

امام رازی کے بعد علامہ قسطلانی نے بھی اس حدیث کا انکار کیا ہے۔ متاخرین علماء میں مشہور مصری عالم عبدالوہاب نجار نے قصص الانبیاء میں امام رازی کی رائے سے موافقت کرتے ہوئے کافی شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے۔ اور حضرت ابراہیم وسارہ کے واقعہ کا انکار کیا ہے۔ (۱۲۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جناب حمید الدین فراہی بھی ''مقدمہ نظام القرآن'' میں لکھتے ہیں۔

''بعض لوگ ایسی روایات تک کو قبول کر لیتے ہیں جو نصوص قرآنی کی تکذیب کرتی ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹ بولنے کی روایت یا آنحضرت ﷺ کے خلاف وحی قرآن پڑھ دینے کی روایت'' (۱۲۴)

عبدالوہاب نجار' حفظ الرحمٰن سیوہاروی' (۱۲۵) ابوالکلام آزاد' حمید الدین فراہی' شبلی نعمانی' (۱۲۶) سید ابوالاعلی مودودی (۱۲۷) نے بھی اس کا انکار کیا ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی بات یہ جان لینی چاہیے کہ حضرت ابراہیم کے کذبات ثلاثہ بدقسمتی سے حدیث کی ایک روایت میں ''مذکور'' نہیں بلکہ صرف صحیح بخاری میں ان کذبات ثلاثہ کا ذکر پانچ مقامات پر مذکور ہے کہیں پورا متن ہے اور کہیں مختصر' کہیں تعلیقاً اور کہیں مرفوعاً البتہ کتاب الانبیاء میں یہ حدیث پوری تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اس کے علاوہ احادیث شفاعت میں بھی ان کذبات کا ذکر ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ قیامت کے دن جب میدان حشر میں لوگ پریشان ہو کر مختلف وجوہ بیان کریں گے تو اس موقع پر حضرت ابراہیم بھی اپنی کذبات کا ذکر یوں کرتے ہوئے معذرت فرمائیں گے۔ '' انی قد کذبت ثلاث کذبات'' واضح رہے کہ میدان حشر سے متعلق یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم جامع ترمذی' مسند احمد' صحیح ابن خزیمہ' المستدرک للحاکم' معجم للطبرانی' مصنف ابن ابی شیبہ اور مسند ابی عوانہ میں مختلف اصحاب رسول سے مروی ہے۔

حضرت ابراہیم کے کذبات ثلاثہ سے متعلق روایات ''صحیح بخاری (۱۲۸) صحیح مسلم (۱۲۹) جامع ترمذی (۱۳۰) ''سنن ابی داؤد (۱۳۱) اور مسند احمد (۱۳۲) کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

صحیح بخاری' صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں یہ حدیث ابو ہریرہ سے مروی ہے:-

''عن ابی ھریرۃ قال' قال رسول اللہ ﷺ: لم یکذب ابراھیم النبی فی شئی قط الا فی ثلاث قولہ''انی سقیم''وقولہ لسارۃ أختی و قولہ ''بل فعلہ کبیرھم ''(۱۳۳)

اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے قاضی ابوبکر بن العربی یہ تاویل کرتے ہیں۔

''اس حدیث میں بڑا نکتہ جو مخالف کی دلیل کو رد کر دیتا ہے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے ان میں سے دو ایسے ہیں جن کے ذریعے انہوں نے اللہ کے دین میں حیلہ کرنے کی کوشش کی اور ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے انی سقیم'' کہا اور دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے ''بل فعلہ کبیرھم'' اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول "ھذا اختی" (یہ میری بہن ہے) اس قول کو حقوق اللہ میں شمار نہیں کیا اگر چہ اس کے ذریعے انہوں نے ایک مصیبت کو دور کیا لیکن چونکہ اس میں ابراہیمؑ کا یہ مقصد تھا کہ اس کے ذریعے انہوں نے اپنی ساتھی کو بچایا اور اس کو حقوق اللہ میں شمار نہ کیا کیونکہ اللہ کی ذات کی طرف صرف اس عمل کو منسوب کیا جاتا ہے جو دنیاوی لوازمات سے خالص ہو۔ اور کنایات جو کسی ذات یا نفس کی طرف منسوب ہوں جب ان کا مقصد خالصتاً دین کی خدمت کرنا ہو تو اللہ ہی کے لیے شمار ہوتے ہیں۔ جیسے یہ کہنا [اَلا لِلّٰہِ الدِّینُ الخَالِص] خالص دین صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ اگر یہ عمل ہم سے صادر ہو اللہ ہی کے لیے ہوگا لیکن ابراہیم علیہ السلام کا مقام اس سے بہت آگے ہے اور اللہ زیادہ علم رکھنے والا ہے" (۱۳۴)

حدیث میں صرف ابراہیم علیہ السلام کے اقوال (انی سقیم) اور (بل فعلہ کبیرھم) وغیرہ پر کذب کا جو اطلاق کیا گیا ہے وہ لغۃ ہے اصلاً وہ کذب شرع میں حرام نہیں۔

عربی لغت میں کذب جھوٹ سے زیادہ وسیع تر مفہوم کا حامل ہے۔ مثلاً کذب بمعنی وجوب (۱۳۵) جوہری اسی معنی کے قائل ہیں۔ کذب غلطی کے معنی میں بولا جاتا ہے مثلاً "کذب ابو محمد" یعنی صحابی رسول ابو محمد (مسعود بن زید) نے یہ غلطی کی۔

کبھی کذب کا اطلاق تعریض وتوریہ پر بھی ہوتا ہے یعنی جب متکلم خبر واقعہ اور مخبر عنہ کے مطابق دے۔ لیکن امر واقعہ اور حقیقت کو مخاطب سے مخفی رکھنا چاہے تو ریہ وتعریض حقیقتاً میں صحیح ہوتا ہے لیکن سامع کے فہم کے اعتبار سے اسے کذب کہا جا سکتا ہے۔

علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔

والتعریض کلام لہ وجھان من صدق وکذب اوظاھرو باطن (۱۳۶)

"یعنی تعریض ایسی گفتگو ہوتی ہے جس کے دو پہلو ہوتے ہیں صدق وکذب یا ظاہر و باطن"

علامہ زمخشری نے "بل فعلہ کبیرھم" کی تفسیر میں تعریض کے انہی معنی کو اختیار کیا ہے جو علامہ راغب اصفہانی نے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"یہ مبہم کلاموں میں سے ہے اس قسم کی باریکیوں میں صرف علم المعنی کے ماہر علماء کے ذہن ہی غور وفکر کرتے ہیں۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ اپنی ذات سے صادر شدہ فعل کو بتوں کی طرف منسوب کریں۔ اور بے شک انہوں نے اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذات ہی کی طرف منسوب کیا بت کی طرف تعریضی اسلوب کے طور پر منسوب کرنے سے مقصد بت پرستوں پر حجت کرنا اور انہیں لا جواب (خاموش کرنا) تھا''(۱۳۷)

اس قسم کے توریہ کی مثالیں خود نبی ﷺ کے غزوات وغیرہ میں ملتی ہیں مثلاً ''الحرب خدعة ''یعنی جنگ میں دھوکہ درست ہے اسی طرح سفر ہجرت میں جب کسی شخص نے حضرت ابو بکر سے نبی ﷺ کے متعلق دریافت کیا کہ یہ آپ کے رفیق کون ہیں؟ تو حضرت ابو بکر نے جواب دیا ''رجل یھدینی السبیل'' یہ وہ شخص ہے جو میری راہنمائی کرتے ہیں۔لوگ حضرت ابو بکر کے جواب سے دنیاوی راہبری مراد لیتے ہیں۔حالانکہ حضرت ابو بکر کی مراد آخرت کی راہنمائی تھی۔

کیا زیر مطالعہ حدیث کے منکرین اس جواب کی روشنی میں انہیں کاذب کہنے کی جسارت کریں گے۔جبکہ آں محترم رضی اللہ عنہ کا لقب ہی ''صدیق'' تھا۔اگر نہیں تو پھر اس قول کو تعریض پر ہی محمول کرنا پڑے گا۔پس اگر ایک صحابی رسول کے لیے تعریض کا استعمال ممکن ہے تو حضرت ابراہیم کے مقام نبوت کے پیش نظر تعریض کرنا بدرجہا اولی ہے۔(۱۳۸)

پس معلوم ہوا کہ حدیث زیر مطالعہ میں کذب کو تعریفی پر اس طرح محمول کرنا کہ سقیم'' سے دو معنی مراد ہیں جسمانی مریض اور روحانی مریض (اور یہاں دوسرا معنی مراد ہے)۔ بڑا بت اور اللہ تعالیٰ (یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد دوسرے معنی سے ہے) اور اختی کے معنی بھی نسبتی اور دینی بہن کے ہیں (یہاں بھی دوسرا معنی مراد ہے) حضرت ابراہیم نے اپنے مخالفین کو تعریض اور توریہ کے ذریعہ ظاہری معنی میں الجھا دیا۔اور خود اس کا مخفی معنی مراد لیا...... ایک بالکل صحیح توجیہہ ہے اس سے نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عصمت و نبوت پر زد پڑتی ہے اور نہ ہی کذبات ثلاثہ کی روایت قرآن کی آیت (انه كان صديقا نبيا) کے خلاف باقی رہتی ہے۔

مفتی محمد شفیع صاحب نے ''معارف القرآن'' میں ''حضرت ابراہیم کا قول جھوٹ نہیں بلکہ ایک کنایہ تھا'' کے زیر عنوان اس مسئلے پر تفصیل سے بحث کی ہے۔(۱۳۹)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی ''كذبات ثلاثه'' سے متعلق حدیث قطعاً صحیح اور ہر اعتبار سے معقول ہے امام رازی سے قبل صدیوں تک ان روایات پر محدثین فقہاء اور علماء اصول میں سے کسی کو اعتراض نہ تھا جن لوگوں نے اس آیت کو ''[كَانَ صَدِّيقًا نَبِيًّا] کے خلاف سمجھا انہوں نے خطا کی۔محمد مفتی شفیع بھی اس طرف گئے ہیں اور ایسا سمجھنے کو جہالت سے تعبیر فرماتے ہیں۔(۱۴۰)

۲۔ تعذیب المیت ببکاء اھلہ:

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔[وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزرَ أُخرَى](۱۴۱)(اور کوئی دوسرے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بوجھ نہیں اٹھائے گا)

لیکن آیت سے بظاہر متعارض ایک مرفوع حدیث مروی ہے۔

"أن الميت ليعذب ببكاء اهله عليه "(۱۴۲)

بے شک میت کو اس کے گھر والوں کے رونے پیٹنے کی بناء پر عذاب دیا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمر کے سہونسیان اور خطائے فہم پر محمول کیا۔ چنانچہ فرماتی ہیں۔

"يغفرالله لابی عبدالرحمن أماانه لم كذب ولكنه نسيئ اوخطاء "(۱۴۳)

یعنی اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمٰن کو معاف فرمائے اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے جھوٹ نہیں بولا البتہ وہ بھول گئے یا ان سے خطا ہوگئی پھر اس حدیث کا پس منظر یوں بیان کرتی ہیں۔

"انمامررسول ﷺ على قبريهودية يبكى عليهااهلهافقال انهم يبكون عليها وانها تعذب فی قبرها"(۱۴۴)

یعنی ایک مرتبہ رسول ﷺ کا گزر یہودیہ کی قبر کے پاس ہوا جس کے اہل خانہ اس پر رورہے تھے تو آنحضور ﷺ نے فرمایا یہ لوگ اس پر ماتم کررہے ہیں حالانکہ وہ اپنی قبر میں عذاب میں مبتلا ہے۔

بظاہر حضرت عائشہؓ کی صراحت کے بعد حدیث اور قرآن میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا لیکن چونکہ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر سے ہی نہیں کئی دوسرے صحابہ سے بھی مروی ہے۔ لہٰذا امام بخاری اس کی یہ توجیہ فرماتے ہیں۔

[يعذب الميت ببعض ببكاء اهله عليه اذاكان النوح من سنته لقوله تعالی[:قُوااَنفُسَكُم وَاَهلِيكُم نَاراً](۱۴۵)وقال النبی ﷺ: كلكم راع وكلكم مسٔول عن رعيته(۱۴۶)فاذالم يكن من سنته فهوكما قالت عائشة(۱۴۷)لَاتَزِرُوَازِرَةٌ وِزرَاُخرَى](۱۴۸)

یعنی میت کو گھر والوں کے ماتم کی بناء پر عذاب اس وقت ہوگا جب نوحہ و ماتم خود اس کا طریق کار رہا ہو۔ کیونکہ قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے: اپنے آپ کو اور گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچائیں اور ارشاد نبوی ﷺ ہے: تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا پس اگر اس کی زندگی میں نوحہ اس کا طرز عمل نہ تھا تو اس شکل میں حضرت عائشہؓ کے قول کے مطابق آیت [ولاتزر وازرة

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وزر اخری] کا اس پر اطلاق ہوگا۔

جمہور اہل علم نے اس توجیہہ کو اختیار کیا ہے اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اس قسم کے طرز عمل سے بیزاری کا اظہار نہیں کرتا۔ بلکہ خود اسے اختیار کرتا تھا یا مرتے وقت اس نے اپنے اہل خانہ کو سینہ کوبی کی وصیت کی تھی تو حدیث مذکورہ بالا کے مطابق عذاب کا مستحق ہوگا۔ چنانچہ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:۔

''اگر مرنے والا شخص ان کو اپنی زندگی میں نوحہ سے منع کرتا تھا لیکن پھر بھی لوگ اس کے مرنے کے بعد ایسا کریں تو اس پر اس کا عذاب (عقاب) نہ ہوگا۔'' (۱۴۹)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بعض احادیث اپنے مضمون کے اعتبار سے ظاہر مفہوم کے خلاف نظر آتی ہیں۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ صرف قرآن سے موافقت رکھنے والی احادیث کو ہی قبول کیا جائے گا اور باقی کو رد کر دیا جائے گا۔ اور اگر صرف قرآن سے ہی موافقت رکھنے والی احادیث کو ہی قبول کیا جاتا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس تکلف کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کیونکہ جب قرآن میں ان احادیث کے ہم معنی احکام موجود ہیں تو پھر ان احادیث کو قبول کرنے یا نہ کرنے سے اصلاً کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن قرآن کی شرح بیان کرنے والی یا قرآن سے زائد حکم بیان کرنے والی یا بظاہر قرآن کے مخالف احادیث کو نظر انداز کر دیا جائے تو امت کے لیے قرآن کے صحیح مفہوم کو سمجھنا محال ہو کر رہ جائے گا۔ جو یقیناً ایک بڑا دینی خسارہ ہوگا۔

خلاصہ بحث

۱۔ قرآن اصول وکلیات کا بیان ہے جبکہ حدیث ان اصول وکلیات کی جزئیات وتفصیلات سے بحث کرتی ہے

۲۔ قرآن کی تفسیر میں، ہم حدیث سے صرف نظر نہیں کر سکتے۔ اور قرآن حکیم کے کسی حکم کے معنی ومقصود کی تعیین میں سنت کو قاضی وناطق سمجھا جائے گا۔

۳۔ قرآن وسنت حجیت کے اعتبار سے مساوی المرتبہ ہیں اور فہم قرآن کیلئے حدیث وسنت کا علم ہونا ضروری ہے۔

۴۔ قرآن کے احکام پر دلالت کے لحاظ سے سنت وحدیث کی چار قسمیں ہیں۔ اول' قرآنی آیات کے موافق ومترادف احادیث' دوم قرآنی آیات کی تشریح کرنے والی احادیث۔ سوم قرآن سے زائد احکام ومضامین والی احادیث اور چہارم مخالف قرآن احادیث شامل ہیں۔

۵۔ مولانا فراہی کو مخالف قرآن احادیث کے معنی ومفہوم کی تعیین میں مغالطہ ہوا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کذبات ثلاثہ والی حدیث کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ جمہور کے نزدیک ایسی احادیث قرآن کے مخالف نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱۔ شاطبی، الموافقات، ۴/ ۷، ۸، تحقیق الشیخ عبداللہ دراز، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، الطبعۃ الثانیہ، ۱۹۷۵ء

۲۔ عبدالغفار حسن، عظمت حدیث، دار العلم، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء، ۴۴، ۴۶

۳۔ النساء/ ۸۰

۴۔ بخاری، الجامع الصحیح (مکتبہ دار السلام) رقم الحدیث، ۱۳۷، ۵۹۵

۵۔ الحج/ ۲۹

۶۔ الحشر/ ۷،

۷۔ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، تلخیص، حافظ ذہبی، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، بیروت، ۱/ ۱۰۹

۸۔ ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان، موسسۃ الاعلم، بیروت، الطبعۃ الثانیہ، ۱۳۹۰ھ ۱/ ۳

۹۔ محمد بن ابی العز الحنفی، شرح عقیدہ طحاویہ، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۳۹۹ھ، ۲۱۲

۱۰۔ خالد مسعود، حدیث وسنت کی تحقیق کا فراہی منہاج، تدبر عدد، ۳۷، شمارہ نمبر ۷، لاہور ۱۹۹۱ء، ۳۳

۱۱۔ صبحی صالح، علوم الحدیث و مصطلحہ، دار العلم، بیروت، ۱۹۸۴، ۲۹۶

۱۲۔ الدارمی، السنن، ۱/ ۱۱۷

۱۳۔ نواب صدیق حسن خان، تفسیر فتح البیان، ادارہ احیاء التراث الاسلامی، قطر، ۱۴۱۰ھ، ۴/ ۲۴۸

۱۴۔ خطیب بغدادی، الکفایہ فی علم الروایہ، باب تخصیص السنن العموم محکم القرآن وذکر الحاجۃ فی المجمل الی التفسیر والبیان، ۴۷

۱۵۔ الدارمی، السنن (مقدمہ) تخریج وتحقیق عبداللہ معاشم للمانی المدنی، مدینہ منورہ ۱۹۶۶ء، ۱/ ۴۶

۱۶۔ الشاطبی، الموافقات فی اصول الشریعۃ ۴/ ۷، ۸

۱۷۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاذان، باب ۱۸، رقم الحدیث ۶۳۱

۱۸۔ الانعام/ ۸۱

۱۹۔ لقمان/ ۱۳

۲۰۔ عبدالغفار حسن، عظمت حدیث، ۱۴۸

۲۱۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ، ۲/ ۲۳۱

۲۲۔ خطیب بغدادی، الکفایہ فی علم الروایہ، ۴۹

۲۳۔ عبدالغنی عبدالخالق، حجیۃ السنۃ، ۴۸۵

۲۴۔ فراہی، مقدمہ نظام القرآن، ۳۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۵۔ محمد لقمان سلفی، اهتمام المحدثین، دار الداعی للنشر والتوزیع، الریاض ۱۴۲۰ھ، ۲۹
۲۶۔ النجم/۳،۴
۲۷۔ مالک بن انس، الموطا، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، الکویت، ۱۹۹۸ء ۳۲۱، حاکم' المستدرک علی الصحیحین، ۱/۹۳
۲۸۔ سعید بن منصور، السنن، دار الکتب العلمیہ' بیروت، ۱/۲۶
۲۹۔ الحشر/۷
۳۰۔ ابن البر، جامع بیان العلم، ۲/۱۸۹
۳۱۔ محمد مصطفیٰ اعظمی، دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینۃ، المکتب الاسلامی، بیروت ۱۹۸۵ء، ۱/۱۴
۳۲۔ عبد الغنی عبد الخالق، حجیۃ السنۃ، ص ۴۸۷
۳۳۔ خطیب بغدادی' الکفایہ، ۳۹
۳۴۔ محمد ناصر الدین البانی، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ، الطبعۃ الاولی، دمشق ۱۳۹۹ھ، ۲۸۶
۳۵۔ سعید احمد اکبر آبادی، فہم القرآن، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۸۴
۳۶۔ الشاطبی، الموافقات، ص ۴/۲۰
۳۷۔ آل عمران/۹۷
۳۸۔ نسائی، السنن، کتاب مناسک الحج، باب وجوب الحج، رقم حدیث، ۲۶۲۱،
۳۹۔ (ن م)
۴۰۔ النحل/۴۴
۴۱۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۵/۳۳۶
۴۲۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، کارخانہ کتب، کراچی، ۱/۳۰۶
۴۳۔ ابن عبد البر، جامع بیان العلم، ۲/۱۹۱
۴۴۔ البقرہ/۱۸۷
۴۵۔ ابن القیم، اعلام الموقعین، ۱/۲۷۳ تا ۲۷۶
۴۶۔ النجم/۱۳،۱۴
۴۷۔ ایضاً
۴۸۔ توبہ/۳۱
۴۹۔ ابن القیم، اعلام الموقعین' ۱/۲۷۳ تا ۲۷۶
۵۰۔ ابن القیم، ایضاً
۵۱۔ مائدہ/۳۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۲۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب ۱۳، رقم حدیث ۶۷۸۹

۵۳۔ النساء/۲۳

۵۴۔ ابن حبان، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب النکاح، باب، ذکر العلة عن اجلها زجر عن هذا الفعل، رقم حدیث ۴۱۰۴

۵۵۔ الاعراف/۳۱

۵۶۔ ابوداؤد، السنن، کتاب اللباس، باب فی الحریر للنساء رقم حدیث ۴۰۵۷، کنز الاعمال، رقم حدیث ۴۱۲۷، الترغیب والترهیب، ۹۶/۳

۵۷۔ خلیل احمد چشتی، حدیث کی اہمیت وضرورت، الفوز اکیڈمی، اسلام آباد، ۱۷، ۱۸

۵۸۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۲۰/۲

۵۹۔ (ن م)

۶۰۔ الاعراف/۱۵۷

۶۱۔ الحشر/۷

۶۲۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب اللباس، باب ۳۳، رقم الحدیث ۱۲۰، ۱۰۵۸

۶۳۔ النساء/۸۰

۶۴۔ الانفال/۱۷

۶۵۔ الفتح/۱۰

۶۶۔ عبدالغفار حسن، سنت قرآن حکیم کی روشنی میں، ماہنامہ محدث، جلد ۱۹، شمارہ ۲، ۱، ۱۲ اگست ستمبر ۱۹۸۸ء، ۷۹

۶۷۔ شافعی، الرسالہ، ۹۳، سیوطی، مفتاح الجنه فی الاحتجاج السنة ۱۴،

۶۸۔ محمد بن مطر الزہرانی، تدوین السنة، دار الخضیری، الطبعة الثانیہ، ۱۹۹۸ء، ۱۷

۶۹۔ شیخ ابوزہرہ، حیات ابن تیمیہ، بحوالہ الرسائل والمسائل لابن تیمیہ، ۲۰/۷

۷۰۔ ابن القیم، الطرق الحکمیہ، ۷۲، ۷۳

۷۱۔ عبدالغنی عبدالخالق، (حجیت سنت)، ۴۹۷

۷۲۔ خالد مسعود، احکام رسول کا قرآن مجید سے استنباط، ماہنامہ تدبر، لاہور عدد ۱۳، فروری ۱۹۸۵ء، ۱۳

۷۳۔ غازی عزیر، قرآن وسنت کا باہمی تعلق، ماہنامہ محدث، جلد ۳۱، عدد 1، لاہور، جنوری ۱۹۹۹ء، ۲۴، ۲۵

۷۴۔ محمد لقمان سلفی، السنة حجیتها ومکانتها، ۱۰۲

۷۵۔ الانعام/۱۵۳

۷۶۔ محمد بن نصر المروزی، السنة، دار الثقافة الاسلامیہ، ریاض، ۵

۷۷۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، شرح صحیح البخاری کتاب الاعتصام بالکتاب بالسنة، باب، الاقتداء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بسنن رسول اللہ، ۱۳۱/۲۵۰، رقم حدیث ۲۸۲، ۱۶/۷، ۳۰۹

۷۸۔ المائدہ/ ۱۰۵

۷۹۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الفتن، باب قول اللہ تعالیٰ، یاایھا الذین امنوا علیکم انفسکم رقم حدیث ۴۰۱۴

۸۰۔ النساء/ ۸۰

۸۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، شرح صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب قولہ تعالیٰ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الا مرمنکم، رقم حدیث ۱۳۷، ۷/۵۹۵

۸۲۔ البقرہ/ ۴۳، ۸۳، ۱۱۰

۸۳۔ النساء/ ۱۰۳

۸۴۔ مروزی، السنہ، ۳۱

۸۵۔ البقرہ/ ۲۳۰

۸۶۔ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، مشکوۃ شریف مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲/۱۰۳، ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، کتاب الاطلاق، باب من جواز الطلاق الثلاث، ۹/۳۶۱

۸۷۔ المائدہ/ ۶

۸۸۔ جصاص، احکام القرآن، ۲/۴۰۲

۸۹۔ جصاص، (م ن) ۲/ ۴۰۵

۹۰۔ المائدہ/ ۳۸

۹۱۔ ابن حجر عسقلانی، (م ن) ۱۲/ ۹۶، عبدالرحمٰن مبارک پوری، جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی، ۳/ ۳۳۰، الخطیب بغدادی، الکفایہ، ۱۴

۹۲۔ ابن القیم، اعلام المؤقعین، ۱/ ۴۱

۹۳۔ المائدہ/ ۹۶

۹۴۔ النساء/ ۲۳

۹۵۔ ابن حبان، (م ن)، رقم حدیث ۴۱۰۴، ۱۶۶

۹۶۔ النساء ۲۳

۹۷۔ ابن حجر عسقلانی، (م ن)، کتاب النکاح، باب المحرمات، ۹/ ۱۳۹

۹۸۔ البقرہ/ ۱۷۸

۹۹۔ ابن کثیر، تفسیر قرآن العظیم، ۱/ ۲۱۰

۱۰۰۔ عبدالغنی عبدالخالق، حجیۃ السنہ، ۴۹۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۰۱۔ ترمذی، الجامع، کتاب الوصایا، باب ماجاء لا وصیۃ لوارث، رقم حدیث، ۲۱۲۰

۱۰۲۔ اس سے مراد سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۱۸۰ ہے۔

۱۰۳۔ محب اللہ بہاری، مسلم الثبوت، ص ۲، ۵۴، ۱۰۰، یعنی یہ نسخ بہ صورت زیادتی حکم ممکن ہے۔

۱۰۴۔ الغزالی، المستصفی، ۲/۱۲۵

۱۰۵۔ الشافعی، کتاب الام، ۱/۷۹

۱۰۶۔ ابوزہرہ، اصول الفقہ، ۱۶۵

۱۰۷۔ ایضاً

۱۰۸۔ ایضاً

۱۰۹۔ آل عمران/۱۷۳

۱۱۰۔ خالد مسعود، حدیث وسنت کی تحقیق کا فراہی منہاج، تدبر، لاہور، عدد ۳۷، نومبر ۱۹۹۱ء، ۳۶

۱۱۱۔ الشاطبی، الموافقات، ۴/۵، ۸

۱۱۲۔ النساء/۸۳

۱۱۳۔ ابن القیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر، المختصر الصواعق المراسلۃ علی الجھمیہ والمعطلۃ، اختصرہ، الشیخ الفاضل محمد بن الموصلی، المطبعۃ السلفیہ، مکہ مکرمہ، ۱۳۴۸ھ، ۲/۴۴۱

۱۱۴۔ شافعی، الرسالہ، ص ۲۱۶، ۲۱۷

۱۱۵۔ ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام، فصل فی قوم لایتقون اللہ فیماینسب الی النبی ﷺ، ۱/۲۱۵

۱۱۶۔ ایضاً

۱۱۷۔ مریم/۴۱

۱۱۸۔ ابن حجر عسقلانی، (س م)، ۶/۳۸۸

۱۱۹۔ بائبل، کتاب پیدائش، باب ۱۲

۱۲۰۔ غازی عزیر، قرآن وسنت کا باہمی تعلق، ماہنامہ محدث، جلد ۳۱، عدد 1 لاہور، جنوری ۱۹۹۹ء، ۴

۱۲۱۔ رازی، تفسیر کبیر، ۶/۱۱۳

۱۲۲۔ غازی عزیر، قرآن وسنت کا باہمی تعلق، ماہنامہ محدث ۳۱/۱، لاہور، جنوری ۱۹۹۹ء ۵

۱۲۳۔ ایضاً

۱۲۴۔ فراہی، مقدمہ، نظام القرآن، ۳۹

۱۲۵۔ سیوہاروی، قصص القرآن، ۱/۱۹۹، ۲۰۸

۱۲۶۔ عبدالعزیز رحیم آبادی، حسن البیان، ۱۳۲، ۱۳۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۲۷۔ سید مودودی، تفہیم القرآن، ۳/ ۱۶۷، رسائل ومسائل، معارف اسلامی لاہور ۱۹۹۰ء ۲/ ۳۵، ۳۸
۱۲۸۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۲/ ۳۸۸، ۹/ ۱۲۶
۱۲۹۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الفضائل، باب ۱۵۴، رقم حدیث، ۲۳۷۱
۱۳۰۔ عبدالرحمٰن مبارک پوری، ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، ۴/ ۱۴۸
۱۳۱۔ محمد شمس الحق عظیم آبادی، سنن ابی داؤد مع عون المعبود، ۲/ ۲۳۳
۱۳۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲/ ۴۰۳
۱۳۳۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الفضائل، باب ۱۵۴، رقم حدیث، ۲۳۷۱
۱۳۴۔ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، مکتبہ الغزالی، دمشق سن ندارد، ۱۱/ ۳۰۱
۱۳۵۔ ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ۴/ ۱۲، ۱۳
۱۳۶۔ راغب اصفہانی، مفردات راغب، ص ۱۰۲
۱۳۷۔ الزمخشری، محمود بن عمر، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل، دار الکتاب العربی بیروت، سن ندارد، ۳/ ۱۲۴
۱۳۸۔ غازی عزیر، قرآن وسنت کا باہمی تعلق، محدث، ۳۱/ ۱، لاہور جنوری ۱۹۹۹ء ۱۲
۱۳۹۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۶/ ۱۸۵، ۱۸۶
۱۴۰۔ (ن م) ۶/ ۱۸۸
۱۴۱۔ الانعام/ ۱۶۴، الاسراء/ ۱۵، فاطر/ ۱۸، الزمر/ ۷
۱۴۲۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، باب المیت یعذب ببکاء اھلہ، رقم حدیث ۱۲۸۷
۱۴۳۔ النووی، صحیح مسلم شرح النووی، ۲/ ۲۳۴
۱۴۴۔ ابن حجر عسقلانی (م س)، ۳/ ۱۵۲، ابن حجر عسقلانی سبل السلام شرح بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام، احیائے التراث الاسلامی، الکویت، ۲/ ۱۵۳
۱۴۵۔ التحریم/ ۶
۱۴۶۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الامارہ، باب، فضیلۃ الامام العادل وعقوبۃ،
۱۴۷۔ فاطر/ ۱۸
۱۴۸۔ ابن حجر عسقلانی، (م ن)، ۳/ ۱۵۰
۱۴۹۔ علامہ عینی، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، دار الفکر، ۴/ ۷۹

© rasailojaraid.com